جلد ۱۱۰ فروری ۱۹۸۹ء عدد ۶

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادارۂ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۱۰ | فروری ۱۹۸۹ء مطابق رجب ۱۴۰۹ھ | عدد ۶

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵ - اے ذیلدار پارک ، اچھرہ ، لاہور

رابطہ کے لیے : ادارہ ترجمان القرآن ، رحمن مارکیٹ ، غزنی سٹریٹ ، اردو بازار - لاہور

فون نمبر ——— ۳۲۴۴۶۸

زرسالانہ تیس روپے - فی پرچہ ۳/- روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

آگے بڑھنے کے بجائے بات کی ڈور کا سرا ایک بار پھر پیچھے جا کر پکڑنا ہوگا۔

انتخابی کامیابیوں، ناکامیوں اور فوائد و نقصانات سے قطع نظر، ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ یہاں سیکولرازم نے خاصی پیش قدمی کر لی ہے۔ مسجدوں میں نمازیں بھی جاری ہیں، مدرسوں میں تفسیر و حدیث کے درس بھی ہو رہے ہیں، جلسوں میں وعظ اور تقریریں بھی جاری ہیں۔ کتابیں، رسالے اور پمفلٹ بھی چھپ رہے ہیں، جلوس اور مظاہرے بھی ہوتے ہی رہتے ہیں، خالص تبلیغ کے ذریعے اسلام لانے والے گروہ بھی کام کر رہے ہیں۔ مشائخ کے اوراد و ادعیات بھی جاری ہیں — مگر سیاسی میدان میں، اقتدار کے میدان میں، ذرائع ابلاغ کے میدان میں، ادب اور فنونِ لطیفہ اور بے حجابیٔ نسواں اور مخلوط ثقافتی تقریبات کے دائروں میں لادینیت (سیکولرازم) کی جو پیش قدمی ہو رہی تھی وہ حالیہ انتخابات کے بعد کچھ کر اس طرح سامنے آئی ہے کہ یوں لگتا ہے جیسے اس نے یک لخت ایک لمبی جست بھری ہو۔ مگر بات یہاں ختم نہیں ہو رہی، یہ نئے دورِ لادینیت کا آغاز ہے اور یہ آغاز نت نئے اندیشے بھی دیتا رہے گا۔

سب سے پہلی چیز تو ہمارے نوٹس میں یہ آتی ہے کہ ہمارے ہاں جو آزادانہ اور منصفانہ انتخاب ششمہ میں منعقد ہو کر ایک نئے دورِ جمہوریت کا سبب بنے ہیں وہ کاملاً لادینی نوعیت کے انتخابات ہیں۔ ان میں ہر قسم کے لوگ — حتیٰ کہ منکرینِ پاکستان بھی — ووٹر تھے؛ ان میں ایسے ایسے لوگ امیدوار

بنے اور کامیاب بھی ہو گئے، جن کی زندگیوں کے تاریک پہلو رسوائے زمانہ ہیں اور جن کی کسی علامت دین یا دینی علم و فکر کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ اسی طرح وزارتوں پر جانے والے حضرات کے اسلامی کردار کے بارے میں کسی نے نہیں پوچھا۔ یہ بات محض دینی جذبے ہی سے نہیں کہی جا رہی بلکہ موجودہ دستور میں جو علماء کے متفقہ ۲۲ دستوری اصولوں کے مطابق نہیں ہے اور جس کی دفعات کے ساتھ اسلامی نظریاتی کونسل کا اتفاق بھی پوری طرح سے نہیں ہے، اس میں بھی اتنی اسلامی دفعات اور شقیں انتخابات اور امیدواروں اور کامیاب نمائندوں کے متعلق موجود ہیں کہ آج اگر کوئی عدالت ان کو سامنے رکھ کر حالیہ انتخابات کا جائزہ لے تو معلوم نہیں کیا نتیجہ نکلے۔ میرے محترم دوست محمد صلاح الدین صاحب نے ایسی تمام دستوری دفعات اور شقوں کو تکبیر (یکم دسمبر ۱۹۸۸ء۔ ص ۹ تا ۱۳ و بقیہ صفحہ ۲۲) میں شائع کر دیا ہے۔ بلکہ شاید ان کی طرف سے جناب خالد اسحٰق صاحب نے عدالت عالیہ میں رٹ بھی دائر کر دی ہے۔ اب یہ جائزہ لینا تو عدالت کا کام ہو گا کہ جناب صدر مملکت، جسٹس نصرت صاحب، وزارت و محکمۂ قانون اور ملک کے دانشوروں، ذرائع ابلاغ کے ارباب اور سیاسی لیڈروں نے دستور کے مندرجات و مشمولات سے اتنا تغافل کیوں برتا۔ نجانے اب چارۂ کار کیا ہو گا؟

سیکولر انتخابات کے نتیجے میں بالکل سیکولر حکومت (اور اس کی اسمبلیاں) وجود میں آئی جہاں اب تک نہ کسی مسئلے کے متعلق یہ سوال اٹھا کہ اس کے بارے میں اسلام کی رہنمائی کیا ہے اور نہ کسی معاملے میں اسلام کی رہنمائی کی طرف توجہ دلائے جانے پہ کارروائی کا رخ تبدیل ہوا۔

یہاں میں آپ کو ایک جھلک دکھاتا ہوں۔

۲۷ دسمبر کے اخبارات کے بموجب محمود الرشید صاحب نے تحریک پیش کی کہ بھٹو جو عدالتی نظام سے سزا یافتہ ہیں ان کے لیے شہید کا لفظ استعمال کرنا عدلیہ کی توہین ہے۔

آگے چلنے سے پہلے ذرا سا ایک جملۂ معترضہ ـــــ کہ عدلیہ کو اس قسم کے معاملات میں توہین سے بچانے کا احسن طریقہ یہ ہے کہ قانون میں تبدیلی کر کے آئندہ کے لیے عدالتوں کو یہ طریقہ بنایا جائے کہ وہ جس کو بھی سزائے موت سنائیں، اس کے لیے فیصلے میں یہ لکھیں کہ ہم اس شخص کو شہادت کی موت کی سزا دے رہے ہیں۔

ہاں تو محمود الرشید صاحب کی تحریک پر دستور، قانون، ضابطہ کارروائی یا کم سے کم ضابطۂ اخلاق

ہی کے تحت کوئی اعتراض اٹھانے کے بجائے داڑھیوں کے متعلق پیپلز پارٹی کے ایک رکن حزبِ اختلاف نے نہایت درجہ رکیک انداز میں اظہار نفرت کیا، پھر صوبائی وزیر افضل اعزاز کھڑے ہوتے تو اُن کو بدترین انداز میں گالی دی —— انسانیت کے آخری نشان سے بھی یہ نمائندگانِ عوام نیچے اتر گئے۔ یعنی توہینِ انسانیت بھی، توہینِ شریعت بھی اور توہین جمہوریت بھی۔ بعد ازاں ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ اور بات کی صفائی کرنے کے بجائے محض کارروائی حذف کر دی گئی۔ سوال یہ ہے کہ شریعت کے شعار اور پیروئ سنّتِ رسولؐ کی ایک علامت کی توہین کی تلافی اتنی سی بات سے کیسے ہو سکتی ہے کہ کارروائی حذف کر دی گئی۔ خدا کے کاغذات میں لوگوں کے اقوال اور اعمال کون حذف کرا سکتا ہے؟

اسی طرح مولانا منظور چنیوٹی نے (اخبارات ۲۹ دسمبر ۸۸ء) ضیاء کے لیے دعائے مغفرت کی تحریک کی تو پھر ایک ہنگامہ بپا ہوا۔ تحریک نامنظور ہو گئی۔

اِن مثالوں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ لادینیت کس زور شور سے چڑھی آرہی ہے۔ نہ قواعد کا لحاظ، نہ انسانیت کا خیال، نہ دین داری کی حِس —— بس جہاں کوئی مذہبی بات آئے، آج کل کے جنگی (MILITANT) لادینیت پسندوں پر مرگی کا دورہ پڑ جاتا ہے۔

رانا شوکت محمود (پی پی پی) نے بعد میں پنجاب اسمبلی کے ارکان کی ایک دعوت کی تو اس میں فرمایا کہ ملّا ازم کی پیداوار ارکانِ اسمبلی ماحول خراب کر دیتے ہیں۔ یہ "ملّا ازم" کی اصطلاح جسے مغربی امپیریلسٹوں نے جا بجا مزاحمت کرنے والی دینی قوتوں کے خلاف گالی کے طور پر استعمال کیا تھا۔ اب اُن کے ازلی غلام اس اصطلاح کو اس مقصد سے استعمال کرتے ہیں کہ یا تو اسلام ان کا "ملّا ازم" بن کر رہے، ورنہ پھر ہم اسے ملّا ازم کہہ کر بے کہ غضب و نفرت کا نشانہ بناتے رہیں گے۔ اس طرح اصطلاحوں کو گالی بنا کر استعمال کرنا بہت آسان ہے۔ ورنہ دوسرے لوگ بھی فرنگا ازم، مسٹنڈا ازم، لفنگا ازم، لفاظیا ازم جیسی اصطلاحیں کو ایجاد کر کے عام کر سکتے ہیں۔ کیا انہیں یہ پسند ہے؟[1]

---

[1] توہینِ شریعت کے ان اذیت ناک واقعات پر بھی دینی حلقوں نے کوئی مؤثر ردعمل نہیں دکھایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرف ہُو کا عالم ہے۔ ع اندر سے سناٹا آواز نہیں آتی

۔ حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام کی پابند زندگی سے دور کر کے جس سیکولرازم کو نافذ ... بنانے ... اس سے وہ ترقی کر ہی نہیں پا سکتے۔ دوسرے وہ یہ بھول رہے ہیں، لوگوں کے ... آپ ... دیکھیں گے کہ سیکولرازم سے ... نہیں۔ وہ سیکولرازم جس نے ... انقلاب برپا کر دیا، جس نے افغانستان میں ایک سپر پاور کو ناکوں چنے چبوا دیئے، پاکستان میں تو ... ماحول کی وجہ سے ناموافق حادثات ہو سکتے ہیں، لیکن جب بھی کسی مخالف قوت کی چڑھائی ہوگی ... ہے تو پھر سے ... رجحانات اس طرح نمودار ہو جاتے ہیں، جس طرح طوفانی موجوں کے تھپیڑے ہی روشنی کا مینار سارے کا سارا سر بلند دکھائی دینے لگتا ہے۔ ... آپ سیکولرازم کو جتنے زیادہ چرکے دیں گے وہ اتنا ہی زیادہ جذبہ ... بڑھ جائے گا۔ پھر آپ بے بس ہو جائیں گے۔ اگر قرآن و حدیث زندہ ہیں اور ہماری تاریخ باقی ہے تو سمجھیے کہ تجدید و احیائے اسلام کے جذبے بھی اٹھتے رہیں گے ——— تا آنکہ تبدیلی مکمل طور پر واقع ہو جائے۔

جو لوگ گالیوں پر اتر آتے ہوں وہ تو دلیل و اخلاق کے لحاظ سے اپنی کمزوری کا خود اعلان کر رہے ہوتے ہیں۔

لادینیت کی بہت بڑی پیش قدمی کسی عورت کی حاکمانہ سربراہی کا واقعہ ہے جو موجودہ عالم اسلام میں پہلی مرتبہ نمودار ہوا ہے۔ اور مغرب کی لادین تہذیب کے تسلط کے لیے سامراجی اور مخالفِ اسلام قوتیں جس چیز کو اسلامی دین و معاشرت کی چٹانوں میں شگاف پیدا کرنے کے لیے بہترین سمجھتی ہیں وہ عورت ہے۔ عورت کو پہلے دورِ نو گھر سے نکالتا ہے، پھر پردے سے باہر لاتا ہے، پھر زندگی کی تمام سرگرمیوں میں مردوں کے دوش بدوش لا کر مخلوط معاشرت پیدا کرتا ہے۔ اتنا کچھ کام ہو جاتے تو سمجھیے کہ لادینیت (و مغربیت) اور ضمناً عیسائیت کے لیے بھی بہت خوشگوار ماحول تیار ہو گیا۔ اگلا قدم عورت کو سیاسیات میں لانا ہوتا ہے، جس کی آخری حد یہ ہے کہ عورت صدارت و وزارت جیسے عہدوں تک پہنچ جائے۔ اب گویا سیکولرازم نے اپنا کھونٹا گاڑ دیا۔ (جیسے کہ حال ہی میں نعوذ باللہ ایک جرمن اخبار نے پاکستان کے سیاسی تغیر پر یہ سرخی لگائی کہ "خدا ایک عورت سے ہار گیا" (نعوذ باللہ)

اس جملے سے مغرب کی ذہنیت اور عورت کے مسئلے کا دین اور لادینیت کے لیے علامت ہونا آپ کے سامنے واضح ہو جاتا ہے۔

اتنا بڑا واقعہ ہو گیا، پیپلز پارٹی کی فتح سے بھی بڑا!

مگر اس واقعہ کا ایک تو سب کو پہلے سے اندازہ تھا اور دوسرے اس کے ہو جانے پر لوگوں کی کثیر تعداد تعجب کا شکار ہو گئی۔ شروع شروع میں عام لوگ تو کیا، دینی حلقے بھی خاموش رہے۔ بس اکا دکا آواز بلند ہوئی کہ یہ صورت خلافِ اسلام ہے۔

اُلٹا دوسری جانب سے یہ فاتحانہ آواز بلند ہوئی ہے کہ یہ واقعہ عالمِ اسلام کے اندھیروں سے نکلنے اور اُجالوں کی طرف عازمِ سفر ہونے کی نوید بنا ہے کہ پاکستانی قوم نے تاریخِ اسلام میں پہلی بار ایک خاتون کو وزیرِاعظم منتخب کر کے اُجالوں کی جانب قدم بڑھایا ہے۔ (ایک اخباری بیان)

پھر دوسری طرف بھی کچھ جھجھری سی لی گئی۔ ایک نام مولانا سمیع الحق صاحب کا مجھے یاد ہے۔ دو ایک اور آوازیں بھی ہوں گی، مگر سرسری۔ بعد میں دینی رسائل میں نوٹ لکھے گئے۔

بعد میں عبدالعزیز بن باز اور چند علماء کے انفرادی فتووں کے علاوہ ایک مشترکہ بیان ۱۵ اصحاب کی طرف سے جاری ہوا۔ اس پورے عرصے میں سب سے زیادہ زوردار تحریر "عورت کی سربراہی کا مسئلہ" آئی۔ اس وقت تک چہ میگوئیاں شروع ہو چکی تھیں، لیکن باقاعدہ سوچی سمجھی معتدل رائے جماعتِ اسلامی کی مجلسِ شوریٰ منعقدہ ۱۸ تا ۲۰ دسمبر ۱۹۸۸ء کی قرارداد "سیاسی صورتِ حال" میں سامنے آئی۔ الفاظ یہ ہیں:

> "اضطراب کے اسباب کی فہرست میں ایک اور اضافہ خاتون کی سربراہی کا مسئلہ ہے جو مسلّمہ شرعی اصول کی کھلی خلاف ورزی ہے اور جس نے ملک اور عالمِ اسلام میں بےچینی پیدا کر دی ہے۔"

ستم یہ ہوا کہ عورت کی حاکمانہ سربراہی کا مسئلہ جس پر صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین، اور ہر دور کے علماء کا اجماع چلا آرہا ہے، اس کے متعلق جب بات چھڑی تو کوئی خطیب اور کوئی امام ایسے بھی تھے، جنہوں نے عورت کی حکمرانی کے جواز کے راستے نکالے۔ کچھ بین بین قسم کے حضرات تھے جنہوں نے یہ تو مانا کہ اسلام کی رُو سے یہ درست نہیں۔ لیکن جب معاشرے میں ہم دوسری خرابیوں کو قبول کرنے میں

تو یہ ایک اور سہی![1]

دراصل یہ واقعہ بھی سیکولر جمہوریت کا نتیجہ تھا۔ دینی لوگ جنہوں نے "جمہوریت بہ جمہوریت" کی پکار تو زور و شور سے جاری رکھی لیکن اس کے اسلامی تصور سے ذہنوں کو بیگانہ ہو جانے دیا، یا دوسرے لفظوں میں جتنا دعوتی چرچا جمہوریت کے لیے ہوا اتنا اسلامیت کے لیے نہ ہوا...... پھر اگر لادین جمہوریت نمودار ہوتی ہے تو اس کے بطن سے تو احوال کی وہی نسل چلے گی جیسے یورپ اور امریکہ میں دیکھی جاتی ہے۔

اس مسئلے پر ایسا نہ ہو سکا کہ فوری طور پر علماء کے مشترکہ اجلاس ہوتے، متفقہ فیصلہ کیا جاتا اور عوام کو رہنمائی دی جاتی۔ کوئی دستاویز تیار نہ ہو سکی، کوئی سیمینار اہل علم و فضل کا منعقد نہ ہو سکا کسی اخباری فورم کا انتظام نہ ہو سکا، کوئی پمفلٹ نہیں اور.... بھی کچھ نہیں۔ بس "یک حرفِ کاشکے کہ بہ ہر جا نوشتہ ایم"

---

[1] کچھ حضرات جو ایک واقعہ کو دوسرے کے لیے نظیر بناتے وقت یہ نہیں سوچتے کہ دونوں واقعات میں عدم مماثلت کے کتنے وجوہ ہیں۔ وہ مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح کے صدارتی انتخابات میں آنے کو آج کی صورتِ واقعہ کے لیے دلیلِ جواز بناتے ہیں۔ حالانکہ ان کا معاملہ یہ تھا کہ وہ: صططلاحاً سن یاس کو پہنچ چکی تھیں اور "مادرِ ملت" قرار پا چکی تھیں۔ ان کو لوگوں نے اضطراراً اُٹھایا کہ ایوبی آمریت کو توڑنے کے لیے کوئی دوسری مناسب شخصیت موجود نہیں، اور تیسرے یہ کہ انہوں نے یہ فیصلہ کر کے قدم اُٹھایا کہ میں حکومت نہیں کرنا چاہتی، صرف ضروری دستوری ترامیم اور بعد ازاں نئے انتخابات کرا کے واپس آ جاؤں گی۔ اس کے لیے انہوں نے تین ماہ کی مدت تجویز کی تھی جس میں تھوڑا بہت اضافہ ممکن تھا۔ اس کا ریکارڈ بھی موجود ہے اور براہ راست تعلق رکھنے والے گواہ بھی! اس کے باوجود بھی بہت زور سے اعتراضات کیے گئے۔ ان میں جو مولانا مودودیؒ کے سامنے آئے، انہوں نے ان کے تفصیلی جواب دیئے اور خاص طور پر یہ بات کہی کہ اس اضطراری اور مخصوص الاحوال صورت کو عورت کی حکمرانی کے لیے اصولاً دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ کہاں مادرِ ملت فاطمہ جناح اور کہاں محترمہ بے نظیر۔

اس معاملے میں علماء کو مشترکہ طور پر صاف اعلامیہ جاری کرنا چاہیے تھا کہ ایسی غیر شرعی صورت کو ہم ویسا ہی ناقابلِ قبول سمجھتے ہیں، جیسا آمریت یا دوسرے ممنوعاتِ دینیہ کو۔ مگر جبر و قوت پر قائم ایک واقعہ کو فوری طور پر اگر ہم بدل نہیں بھی سکتے تو ہم رائے عامہ کو اس کے خلاف تیار کر کے نئے حالات ضرور پیدا کریں گے۔

ذرا خیال فرمایئے کہ پچھلے کئی برسوں میں کوئی یہاں جرأت کر سکتا تھا کہ عورت کے حقِ حکمرانی کی آواز اٹھائے۔ اسلام کے حق میں کمزور سی اتنی فضا ضرور تھی کہ یہاں صریحاً مخالفِ اسلام فیصلے اور اقدامات کرنا ممکن نہ تھا۔ اس فضا کو برقرار رکھنے کے لیے علمائے پاکستان اور جماعتِ اسلامی کی بڑی مساعی تھیں۔ افسوس کہ وہ فضا مزید مضبوط ہونے کے بجائے الٹا اور کمزور ہو گئی۔ اسی کمزوری کا نتیجہ یہ ہوا کہ دینی جماعتوں نے کسی معاملے میں اسلامی اصول و اقدار پر زیادہ زور دیا ہی نہیں، بلکہ جمہوریت اور اتحادوں اور سیٹوں وغیرہ کے معاملات تک ساری مساعی محدود رہیں۔

بلکہ حد سے بڑھی ہوئی دیدہ دلیری یہ ہے کہ نفیس صدیقی صاحب نے اپنے مضمون میں محترمہ بے نظیر کو "حقیقی زندگی کا دیومالائی کردار" قرار دیا۔ (نوائے وقت ۵ جنوری ۱۹۸۹ء ص ۵ ک ۷،۸) اس طرح کی قصیدہ خوانی ہمارے پورے دورِ تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ الفاظ ہی دوسرے دائرے سے متعلق ہیں، اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ صنمیات اور دیومالائی کردار صرف بُت پرست قوموں کے ہاں پائے جاتے ہیں جو خیالی ہوتے ہیں اور ان سے بسا اوقات نہایت واہیات کہانیاں وابستہ ہوتی ہیں اور وہ انسانیت سے کچھ ماورائیت کی شان رکھتے ہیں۔ یہ فقرہ تو بھارت کی مذہبی طرزِ فکر کے آگے ہمارے افکار کے سرنڈر کو ختم کر دیتا ہے۔

اور اس موقع پر ماہر تعمیرات نیر علی دادا (بہ روایت قدسیہ بیگم) کا یہ حقیقت نما جملہ یاد آتا ہے کہ "یہ ایسی قوم ہے جو اپنے پر فخر کرنے کے بجائے خود کو مسترد کرتی ہے"۔ (نوائے وقت۔ اشاعت جمعہ ۱۳ جنوری صفحہ ۲۲)

اس عالم میں جب اپنی کمزوری کی وجہ سے لوگ محسوس کرتے کہ ان کی غیرتِ دینی اور حمیتِ ملی کے جذبوں پر منوں وزنی چٹانیں رکھی جا رہی ہیں تو ان کے دل یہ چاہتے کہ "مردے از غیب بروں آید و کارے بکند"

جناب پیر محمد ابراہیم ایک دن اٹھے اور اپنی فریاد لے کر کورٹ میں جا پہنچے اور اس مضمون کی رٹ دائر کر دی کہ مسماۃ بے نظیر بھٹو... عدالتوں سے سزا یافتہ باپ کو شہید قرار دے کر اور قومی ذرائع ابلاغ سے قاتل کو شہید کہلوانے کے جذبے میں پڑ کر توہینِ عدالت کی مجرم ہیں۔ لہٰذا ان کو عدالت عہدۂ وزارتِ عظمیٰ پر رہنے سے روک دے بلکہ وہ پارلیمنٹ کی رُکنیت کی بھی اہل نہیں رہی ہیں۔ (روزنامہ جسارت ۱۰ جنوری ۱۹۸۹ء) ۔اس تلخیص میں نہ تو پوری بات آ سکی اور نہ لفظ بہ لفظ۔ خلاصۂ مدعا ہے۔ آج اس مضمون کو ختم کرنے کے بعد اخبار سے اطلاع ملی کہ یہ رٹ خارج کر دی گئی۔ (بحوالہ نوائے وقت و جنگ ۱۶ جنوری)۔ اہلِ علم و اہلِ دین کو آب و ہوا تو معلوم ہونی چاہیے۔

اب سرمایۂ تسکین ایک اور رٹ ہے جو زیرِ تیاری ہے۔ شنیدہ طور پر اس کا مضمون سیدھا سیدھا یہ ہے کہ عورت از روئے اسلام کسی اسلامی مملکت کی سربراہ نہیں ہو سکتی۔ اسے متعدد علماء مل کر داخل کریں گے جس کی سربراہی شاید مفتی محمد حسین نعیمی کریں گے۔ خدا کرے یہ کوشش مؤثر ثابت ہو۔

مگر راقم کا ذاتی احساس یہ ہے کہ پچھلے دس پندرہ سال کی کوتاہئ کار کے متعلق پوری ملت، اس کے علماء اور اس کے اداروں کے خلاف جو رٹ تاریخ کی خدائی عدالت میں دائر ہے، سارے معاملے کا انحصار اس کے فیصلے پر ہے۔

اب آپ ذرا یہ دیکھیے کہ لادینیت کے شجرِ خبیثہ پر جب بہار آئی اور اسے ووٹوں کا پانی ملا تو ہر شاخ سے نئی کونپلیں اور شگوفے پھوٹنے لگے ہیں۔

محترمہ نصرت بھٹو فرماتی ہیں کہ ہماری جدوجہد استحصال، رنگ، نسل اور عقیدے کی تعریف سے پاک معاشرے کی تعمیر ہے۔ (جنگ ۴ جنوری ۸۹ء ص ۱ - کالم ۸، ۷) - چلیے عقیدے سے بھی چھٹی ہوئی — جیسا منحوس استحصال، ناپسندیدہ عقیدہ — عقیدہ اگر زندگی کے بڑے بڑے معاملات میں دخل نہ دے اور خدا و رسولؐ کا دین اگر سیاست و معیشت سے تعرض نہ کرے تو ایسے نیم جان بے ہوش عقیدے کا ہونا نہ ہونا برابر۔

یہ ہیں منتہا ان لوگوں کے!

دلچسپ یہ کہ اسی نظریے کی ایک دوسری تعبیر بھی ہے - ۱۲ جنوری کی شب ٹیلی وژن پر فیض احمد فیض

کی ایک کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے مبصر نے کہا کہ اسلام اور اشتراکیت میں کوئی تضاد نہیں ۔ سبحان اللہ — گھسی پٹی پرانی باتیں جو مسترد شدہ ہیں ان کو لاتے ہوئے یہ حضرات جھجکتے بھی نہیں ۔ اگر کوئی کہہ دے کہ اسلام اور ہٹلر ازم میں یا اسلام اور رام راج کی تحریک میں یا اسلام اور کفر میں کوئی تضاد نہیں تو پھر کیا رائے ہوگی ؟

پچھلے دنوں آپ نے ایک انگریزی فلم کا ذکر سنا ہوگا جس کا عنوان تھا "پہلا پتھر کون مارے گا"۔ یہ فلم چپکے سے پاکستان میں بنی اور برطانیہ کے مشہور چینل ۴ سے ۱۲ر دسمبر ۸۸ء کی شب ۱۱ بجے دکھائی گئی۔ کم ہی کسی کو یاد ہوگا کہ اس میں نہ صرف اسلام اور تعزیراتِ اسلام کا مذاق اڑایا گیا اور یہ بات ابھاری گئی کہ نفاذِ اسلام سے عورتوں کے شرعی حقوق پامال ہوتے ہیں، نیز جنسی جرائم کی سزائیں وحشیانہ ہیں، بلکہ اس فلم کا اصل مقصد "جوازِ زنا" کی تحریک ہے ۔ اب پاکستان میں اس سے لطف اندوز ہوجیئے !

ایک تصویر میں گورنر پنجاب کے تسمے باندھنے کے لیے ان کا پرائیویٹ سیکرٹری زمین پر گھٹنے ٹیکے ہوئے فرض ادا کر رہا ہے ۔ اس تذلیلِ انسانیت کا بھی رشتہ بالآخر لادینیت سے جڑ جاتا ہے ۔ کیونکہ یہ منظر اسلام کے خلاف ہے ۔ (نوائے وقت ۔ ۷ر جنوری ۸۹ء ۔ ص ۸ کالم ۶) ۔

آپ کو یاد ہوگا کہ خبروں میں یہ بات اچھالی گئی تھی کہ دہلی سے روانگی کے وقت راجیو صاحب کے دائیں بازو پہ "امام ضامن" باندھا گیا تھا ۔ امام ضامن غلط ہو یا صحیح ۔ اس کی روایت بہر حال مسلمانوں ہی کے مذہبی رسوم سے جڑتی ہے ۔ متذکرہ خبر بڑی توہین آمیز ہے ۔

سابق صدر پاکستان نے بڑی محنت سے قومی لباس کو اہمیت دلوائی تھی اور وہ اونچے طبقوں اور تقریبوں میں رائج ہوا ۔ مگر اب پی پی پی کی جو پارلیمانی تقاریب حلف برداری وغیرہ ہوئیں ان میں انگریزی سوٹ ایک بار پھر فوقیت پا گیا ۔ دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو ۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تکبیر ۱۲ر جنوری ۸۹ء ۔ ص ۵۰) ۔

اب یہاں میں قادیانیوں کے پاکستان میں حالیہ ابھار کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں، جن کے لیے لادینیت کی فضا سازگار ہے ۔

چٹان میں ابن نفر صاحب نے شکایت کی ہے کہ ڈرامہ سائے کی آخری قسط میں ڈاکٹر عبدالسلام

قادیانی کو دکھایا گیا۔ جنہیں مرزائی یہودی لابی کی سر توڑ کوششوں سے نوبل پرائز ملا ہے۔ شکایت یہ ہے کہ مسلمان بچوں کے کچے ذہنوں میں اس شخصیت کو ٹھونسنے کی کوشش کی گئی ہے۔ (چٹان۔ جلد ۴۱، شمارہ ۴۵/۴۶/۴۴۔ ص ۲۷)۔

سید عطاء المؤمن بخاری نے ایک انٹرویو میں یہاں کے تازہ حالات کے متعلق یہ کہا کہ دینی نقطۂ نگاہ سے اسلامی تشخص ختم ہو چکا ہے۔ اور پاکستان کا تشخص ایک سیکولر ملک کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ:

"مرزائیوں کی سرگرمیاں ۲۹ مئی کے بعد اچانک تیز ہو گئی ہیں۔ مرزا طاہر نے ۱۲ اگست کی تقریر میں کہا ہیں جنرل ضیاء الحق کو یہ اطلاع دے رہا ہوں کہ اس پر بھیانک عذاب آنے والا ہے۔ ۱۷ اگست کو ضیاء الحق کی شہادت کا سانحہ رونما ہوتا ہے ــــ نسیم احمد سابق سیکرٹری اطلاعات ۲۵، ۲۶ اکتوبر کو پاکستان آئے اور باقاعدہ پیپلز پارٹی کی امداد کی۔ روزنامہ الفضل کی اشاعت، سالانہ جلسہ کرانے کا اعلان اور صد سالہ جشن کا پروگرام! ــــ اب مارشل لا کے جن سیاسی قیدیوں کو چھوڑا گیا ہے، ان میں وہ قادیانی بھی شامل ہیں جنہوں نے سکھر میں خطیبِ مسجد کو شہید کیا تھا۔ (گفتگو محمود احمد قریشی شائع کردہ تکبیر۔ ۱۲ جنوری۔ ص ۲۰، ۲۱)۔

یہاں سید عطاء المنعم صاحب نے قادیانیوں کا جس طرح ذکر کیا ہے، مجھے اس کے ساتھ ہی اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں قادیانی .... ہمارے نظام کا افسروں، ملازمتوں اور اداروں میں نفوذ کر جائیں، کیونکہ ان کا دیرینہ پروگرام یہی زیرِ عمل رہا ہے۔ اسی کے ساتھ مجھے دوسری اقلیتوں کے بارے میں کسی فرقہ وارانہ احساس کے بغیر یہ خیال ہوتا ہے کہ دو چیزوں کا خیال رکھنے کی بہت ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ ان کی آبادی کی رفتارِ اضافہ پر پوری نظر رکھی جائے، کیونکہ مسلمانوں کے خلاف کام کرنے والی یہودی اور عیسائی آبادیوں اور مشنریوں نے تو ایسے فیصلے کر رکھے ہیں۔ بعض مسلمان ممالک کو وہ آبادی + تعلیم کی قوت سے زیر نگیں بھی کر چکے ہیں۔ اب اگر ان حقائق کو سامنے رکھا جائے تو سوچنا چاہیے کہ اگر یہاں کی متعدد اقلیتیں ایک تو توالد و تناسل کے ذریعے آبادی میں اضافہ کریں، دوسرے ان کے لوگ باہر سے ناجائز طور پر داخل ہوں جیسے کہ پچھلے دو چار سال سے صورتِ حال ہے، اور پھر

پیچھے چھپے تنظیم اور ذرائع ابلاغ وغیرہ میں نفوذ کرتے کرتے لیکا یک سر ابھاریں تو ۵۰-۱۰۰ سال بعد حلوش بڑکہ اُن کی مجموعی تعداد تو ۱۵ ہزار ہو چکی ہے - اور اکثریتی مسلمان جن کو خاندانی منصوبہ بندی کا تختہ مشق بنایا جا رہا ہو وہ ۴۹ ہزار تک پہنچ چکے ہیں تو تصور کیا ہوگا - میں تو کہتا ہوں کہ ہمارے اندر بھی ایسے شدید اختلاف اور متعصب گروہ ہو سکتے ہیں جو اقلیتوں کے ساتھ مل کر لادینیت کے محاذ کو مضبوط کرنا بہتر سمجھیں اور اصل مسلم اکثریت کی شکست کو وہ پسند کریں - مثلاً ہمارے ان ہمارے عزیز بھائی شیعہ (+ اسمٰعیلی + بوہرے) موجود ہیں - کیا سرکاری طور پر اندازے ہیں کہ ان کو حکومتی لحاظ سے کتنا حصہ حاصل ہے - اگر صرف پیپلز پارٹی ہی یہ بتا دے کہ اس نے کتنے سنی حضرات کو اور کتنے شیعہ حضرات (و خواتین) کو پارٹی ٹکٹ دیئے ہیں اور کتنوں کو حال ہی میں خاص خاص عہدوں پر تعینات کیا ہے (مثلاً حبیب بینک کے صدر نامزد کئے گئے ہیں صفدر عباس زیدی، تو اس وضاحت سے پوری قوم صحیح مگر نامعلوم صورتِ حالات سے واقف ہو جائے گی -

یہاں کوئی مسئلہ فرقہ واری کا ہے، نہ منافرت کا - بلکہ اکثریت، اس کے کسی شدید اختلافی گروہ اور غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کی صحیح تقسیم کا ہے (یعنی حصہ بقدر تناسب) -

اس موقع پر یہ ذرا سی بات یاد دلا دینا مناسب ہوگا کہ جدہ میں محترمہ وزیر اعظم جب پاکستانیوں سے خطاب کرنے پہنچیں تو "شیعیت زندہ باد اور وہابیت مردہ باد" کے نعرے بھی بلند ہوئے - یعنی اس گروہ نے اپنے وجود کو بڑی خوبی سے جتایا -

---

مغرب کے ملحدانہ معاشروں میں جب تصورِ عدل بگڑا تو جرم پسندوں کی اکثریت رکھنے والے تمام ملکوں میں جرائم کا نشانہ بن کر اذیت و مظلومی بھگتنے والوں کے بجائے مجموعی ہمدردیاں جرم کاروں کی طرف منعطف ہو گئیں - فلسفے میں، نفسیات میں، قانون میں، لٹریچر میں اور اخباری پروپیگنڈے میں ہر طرف یہ رجحان ابھر آیا - قدرتی طور پر اسلام جو سوسائٹی کو جرائم سے پاک اور شہریوں کو مطمئن و محفوظ رکھنا چاہتا ہے اس کے ہاں "وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ" "نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ" "خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا" "السعی فی الارض فسادًا" جیسے منصوص اصولوں پر نظامِ عدل اور سزائے جرم قائم ہے - بعض امور میں معافی نہیں، تاوان نہیں، بعض میں معافی مظلوم فریق کے ہاتھ میں ہے - یعنی اسلامی

نقطۂ نظر اپنانے والا معاشرہ عادی مجرموں سے خالی نہیں ہو سکتا - بلکہ عادی مجرم زدگان ہوگا - اگر یہ ترتیب الٹ دی جائے
اور حمایت مجرم کا رجحان نمایاں ہو جائے تو یہ مغرب کی لادینی فکر و تہذیب کی شاہراہ پر گامزن ہونے کا ...
ہماری حکومت نے بہت بڑے پیمانے پر سزا یافتہ مجرمین کو جن میں انتہائی سنگین اور وحشت ناک جرائم
کرنے والے بھی ہیں، رہا کر دیا ہے[1] سزائے موت سزائے قید میں بدل دی ہے اور کچھ بڑے قیدیوں
کی سزائیں کم کر دی ہیں -

حسب ذیل مثالوں کو سامنے رکھیے :-

- کراچی سے پان ایم کا طیارہ اغوا کرنے والے ۵ فلسطینیوں کو رہا کر دیا گیا ہے -
- ہتھوڑا گروپ سے تعلق رکھنے والے سفاک قاتل گلاب کی رہائی -
- کشمیری بازار کے بم کے دھماکے میں ملوث علی فتح بالر کی رہائی -
- بدنام ڈاکو محمد خان (۶۰ افراد کا قاتل) کی رہائی -
- سانحہ حیدرآباد کے بدنام ملزم ڈاکٹر مدد علی و گلاب لکانی کی رہائی -

(تکبیر - ۲۲ دسمبر ۸۸ - ص ۱۰)

---

[1] آج کا اخبار بتاتا ہے کہ ۳۰۲ قیدیوں کی جاری شدہ فہرست میں سے ۱۵۴ نے بیرون ملک تخریب کاری کی تربیت حاصل کی - اور ۸۴ قتل اور دوسرے سنگین جرائم کے مرتکب ہیں - ان میں منشیات کی اسمگلنگ، بینک فراڈ، رہزنی، ڈاکہ زنی، قتل، زنا بالجبر اور غیر فطری فعل کے مرتکبین بھی ہیں - ایک شخص گیس کی پائپ لائن کو اڑانے کی کوشش میں پکڑا گیا - ایک شخص بھارت سے تربیت پا کر امریکی حکام کو قتل کرنے پر مامور تھا - اس نے اسلام آباد میں آبپارہ مارکیٹ میں امریکی ٹورز کیمپ پر ہینڈ گرنیڈ مارا - تین افراد وہ ہیں جو شیخ انوار الحق چیف جسٹس کو قتل کرنے پر مامور تھے - ان کے سامنے دوسرے ججوں کے قتل کا پروگرام بھی تھا - محمد رفیق نے دو ٹائم بم نصب کیے، ایک ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کے قریب، دوسرا ڈسٹرکٹ کورٹ کے قریب - کہا جاتا ہے کہ اس نے چوہدری ظہور الٰہی کے قتل میں امداد دی -

(نوائے وقت ۱۶ جنوری ص ۱ کالم ۶ - بقیہ ص آخر کالم ۴، ۵)

قومی اسمبلی کے قائد حزبِ اختلاف غلام حیدر وائیں نے نمائندہ چٹان کو انٹرویو میں بتایا کہ محترمہ نے سنگین جرائم کے ملزمان کو جو قتل، ڈکیتی اور دہشت گردی میں ملوث تھے، رہا کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے ـــ ان میں سے زیادہ تر نے پاکستان کے خلاف دہشت گردی کی تربیت بھارت، افغانستان اور لیبیا سے حاصل کی ہوئی ہے ـــ انہوں نے ہزارہا پاکستانیوں کے خون سے ہولی کھیلی ہے۔ (چٹان۔ جلد ۴۱۔ شمارہ ۴۵، ۴۶، ۴۷۔ ص ۱۸)۔

"واضح رہے کہ پیپلز پارٹی کی جانب سے کبھی بھی ذوالفقار تنظیم سے لاتعلقی کا اظہار نہیں کیا گیا۔ اور وہ لوگ جن کا تعلق الذوالفقار تنظیم سے تھا، انہیں رہا کیا گیا ہے" یہ باتیں پنجاب کے وزیر بلدیات و دیہی ترقی پرویز الٰہی نے اخبار نویسوں سے ۱۰ جنوری کو کہیں۔ (نوائے وقت۔ ۱۱ جنوری ص ۱۔ کالم ۷، ۸)

محترمہ وزیراعظم کی رحمدلی[1] سے مستفید ہونے والے مجرمین کی کل تعداد ۱۶۹۷۱ ہے۔ مارشل لاء کے تحت سزا یافتہ ۵۵۵۔ موت کی سزا کی عمر قید میں تبدیلی ۲۰۲۹، خواتین اور ۶۰ سال سے زائد عمر کے مجرمین اور ۵ سال سزا بھگت چکنے والے مجرمین کی رہائی ۳۷۷۔ (تحریر محمد علی۔ خصوصی زاویہ اوراق ۴ جنوری ۸۹ء)

مزید تفصیلات اخبارات میں بہت کثرت سے درج ہیں۔ ہم اس پر دو باتیں کہنا چاہتے ہیں کہ اولاً قتل کی سزا (موت) کے علاوہ متعدد ایسے جرائم ہیں جن کی سزائیں اگرچہ شرعی نہیں مگر کم از کم کسی طرح کی سزا ہونے سے ترکِ شریعت کے جرم میں کچھ خفیف سی کمی شاید آجاتی ہو۔ بہرحال بہ حیثیتِ مجموعی بیشتر سزائیں مخالفتِ اسلام کی علامت ہیں اور پیروئ مغرب کا اظہار و اعلان۔ بلکہ صاف صاف اندیشہ یہ پیدا ہو گیا

۱؎ ایک طریقہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ جن سزا یافتگان کو رہا کرنا مطلوب تھا ان کے مقدموں کے کاغذات عدلیہ کے کسی بنچ یا کمیشن کو پیش کیے جاتے اور وہ اگر کسی کیس میں وجہ خاص دیکھتا تو تحقیق مزید کرتا۔ اسی طرح مارشل لا کی عدالتوں یا سرسری سماعت کے تحت فیصل ہونے والے مقدمات کو عام عدالتوں میں ازسرِ نو پیش کر کے فیصلہ حاصل کیا جاتا، مگر یہ تو عدل و جمہوریت کے لمبے راستے ہیں۔

ہے کہ شاید سزائے موت کو بالکل اُڑا ہی دیا جائے ۔ یہ فعلِ دینِ فرنگیت کی پیروی میں ایک امتیازی کارنامہ ترقی ہو گا ۔ اگرچہ قرآن اور رسولؐ کے خلاف ہو ۔ ساتھ ہی ساتھ زنا کے جرم میں پکڑی ہوئی عورتوں کو رہا کرنے کے دوران میں ایسی بحثیں پیدا ہوئیں کہ مردوں کے لیے بھی اور عورتوں کے لیے خاص طور پر شریعت کی سزائے زنا ـــــ وحشیانہ ہے ۔ اسے ختم کیا جائے ۔ اس بہانے قانونِ شریعت کے خلاف جذبات کا ایک ریلا اُمڈ پڑا ہے ۔ اوپر ہم نے جس فلم کا ذکر کیا ہے ، اُسے یاد رکھیے ۔

دوسری بات ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک معاشرے میں یکایک سنگین جرائم کے مجرموں کی ایک بڑی تعداد کو چھوڑ دینا ایک طرف ان کے ہاتھوں اذیت پاتے والے گھرانوں کے بچوں ، عورتوں اور بوڑھوں یا بے بس نوجوانوں کے لیے اذیتِ تازہ کا سامان ہو گا ۔ دوسری طرف مجرمین کا یہ لشکر از سرِ نو جرائم کا ایک طوفان اُٹھا دے گا ۔ جو معاشرہ پہلے ہی جرائم پر قابو پانے اور ان کی افزائش کو روکنے میں ناکام ہو (خصوصاً سندھ میں) ، وہاں سزا یافتہ مجرموں کو چھوڑ دینا گویا شہری بردوں میں بھیڑیوں کو چھوڑ دینا ہے ۔

ساتھ ہی یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگر ہر آنے والی حکومت اسی طرح سابق سزا یافتگان کو چھوڑتی رہے اور پھانسی پانے والوں کو شہید قرار دیتی رہے تو پھر کیوں نہ ایک ہی بار سرے سے مقدمہ چلانے اور سزا دینے کے سلسلے ہی کو ختم کر دیا جائے ۔ پولیس کو رخصت کر دیا جائے ، عدالتوں پر تالے ڈال دیئے جائیں ۔ جیلوں میں تعلیم گاہیں اور صنعت گاہیں قائم کر دی جائیں ، اس طرح ان شعبوں کا خرچ ختم ہو جائے گا اور بجٹ میں بڑی بچت ہو گی جسے ترقیات پر صرف کیا جا سکے گا ۔

اعزاز و اکرامِ مجرمین کے متعلق زیادہ دلچسپ خبر (بحوالہ الامن ۴ جنوری) یہ ہے کہ مخدوم خلیق الزمان نے ایک طویل بیان میں سندھ کے ڈاکوؤں پر مشتمل باقاعدہ " فورس " بنانے کا مشورہ دیا ہے ۔ دوسری طرف لاڑکانہ سے وزیرِ اعظم کے حوالے سے یہ خبر چھپی ہے کہ سندھ میں ڈاکوؤں کو عام معافی دینے پر غور کیا جا رہا ہے ـــــ ۱۹۸۶ء میں پاکستان آنے کے بعد جب بے نظیر صاحبہ لاہور سے جلسے جلوس کرتی ہوئی کراچی اور حیدر آباد کے بعد نواب شاہ پہنچی تھیں تو (بحوالہ نوائے وقت) رات کو سونے والے

(باقی بر صفحہ ۴۳)

لہ اس سلسلے میں ایک چھوٹی سی دلچسپ خبر یہ بھی ہے کہ گورنر پنجاب جناب ٹکا خاں نے ۵۰۰ معافی یافتہ مجرموں کی دعوت کی ۔ کیا خبر آگے چل کر ان لوگوں کو تمغے اور ایوارڈ ملا کریں ۔

حکمتِ سیّد مودودیؒ

مُسلمانوں کی دوہری غلامی

مسلمان آج کل اسی دوہری غلامی میں مبتلا ہیں۔ کہیں دونوں قسم کی خامیاں پوری طرح مسلط ہیں اور کہیں سیاسی غلامی کم اور ذہنی غلامی زیادہ ہے۔ بدقسمتی سے اس وقت کوئی اسلامی آبادی ایسی نہیں ہے جو صحیح معنوں میں سیاسی اور ذہنی اعتبار سے پوری طرح آزاد ہو۔ جہاں ان کو سیاسی استقلال اور خود اختیاری حاصل بھی ہے، وہاں وہ ذہنی غلامی سے آزاد نہیں ہیں۔ ان کے مدرسے، ان کے دفتر، ان کے بازار، ان کی انجمنیں، ان کے گھر، حتیٰ کہ ان کے جسم تک اپنی زبانِ حال سے شہادت دے رہے ہیں کہ ان پر مغرب کی تہذیب، مغرب کے افکار، مغرب کے علوم و فنون حکمراں ہیں۔ وہ مغرب کے دماغ سے سوچتے ہیں۔ مغرب کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ مغرب کی بنائی ہوئی راہوں پر چلتے ہیں۔ خواہ ان کو اس کا شعور ہو یا نہ ہو، بہرصورت یہ مفروضہ ان کے دماغوں پر مسلط ہے کہ حق وہ ہے جس کو مغرب حق سمجھتا ہے اور باطل وہ ہے جس کو مغرب نے باطل قرار دیا ہے۔ حق، صداقت، تہذیب، اخلاق، انسانیت، شائستگی، ہر ایک کا معیار ان کے نزدیک وہی ہے جو مغرب نے مقرر کر رکھا ہے۔ اپنے دین و ایمان، اپنے افکار و تخیلات، اپنی تہذیب و شائستگی، اپنے اخلاق و آداب، سب کو اسی معیار پر جانچتے ہیں۔ جو چیز اس معیار پر پوری اترتی ہے اسے درست سمجھتے ہیں، مطمئن ہوتے ہیں، فخر کرتے ہیں کہ ہماری فلاں چیز مغرب کے معیار پر پوری اتر آئی اور جو چیز اس معیار پر پوری نہیں اترتی اسے شعوری یا غیر شعوری طور پر غلط مان لیتے ہیں۔ کوئی علانیہ اس کو ٹھکرا دیتا ہے۔ کوئی دل میں گھٹتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر اسے مغربی معیار کے مطابق کر دے۔

اسماءُ القرآن

جناب محمد رفیق صاحب۔ منصورہ۔

(۲)

ذکریٰ | قرآن مجید کی ایک صفت "ذکریٰ" بھی آئی ہے، جس کے معنی ہیں "نصیحت اور یاد دہانی"۔ قرآن مجید اس لحاظ سے ذکریٰ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نوعِ انسانی کے لیے ایک نصیحت ہے جو اس کی سوئی ہوئی فطرتِ اسلامی کو بیدار کرتی ہے تاکہ وہ اپنے بھولے ہوئے خالق کو یاد کرے اس کی بتائی ہوئی راہ پر چلیں۔

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ	یہ ایک کتاب ہے جو آپ پر نازل کی گئی
فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ	تاکہ آپ اس کے ذریعے سے لوگوں کو خبردار
بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝	کریں۔ نہیں آپ کے دل میں اس سے کوئی تنگی
(الاعراف-۲)	نہ ہو۔ اور یہ ایک نصیحت ہے اہل ایمان کے لیے۔

رحمت | قرآن مجید کی ایک صفت "رحمۃ" ہے جس کے معنی مہربانی، شفقت اور عطیے کے ہیں۔ قرآن مجید ان معنوں میں "رحمت" ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اپنے بندوں کو جہالت اور گمراہی سے بچانا چاہتا ہے۔ وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کے بندے جہالت و ضلالت کے اندھیروں میں بھٹکتے پھریں اور دنیا و آخرت میں اس کے غضب و عذاب کے مستحق ٹھہریں۔ اس لیے اس نے اپنا خاص مہربانی اور شفقت فرمائی کہ ان کے لیے ایک ایسی کتاب نازل کر دی جس پر عمل پیرا ہو کر وہ اپنے مقصدِ حیات کے گوہرِ مراد کو پا سکتے ہیں اور وہ اس کے ذریعے اللہ کا قرب بلکہ اپنا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اور یہ سب انسانوں کو ان کی محنت سے۔ جیسے ہیں یا ان کے عمل کے بدلے ملتی ہے۔

ملی ہے، بلکہ یہ سر فضلِ الٰہی، عطیۂ خداوندی اور عنایتِ ربانی کی صورت میں اُن کے پاس آئی ہے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا	اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے،
لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً	ہر بات کو کھول دینے والی اور اہلِ اسلام
وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ؕ	کے حق میں ہدایت اور رحمت اور خوشخبری۔

(النحل - ۸۹)

رُوح | قرآن مجید کا ایک صفاتی نام "الرّوح" بھی ہے، جس کے معنی ہیں، زندگی، رحمت اور وحی الٰہی۔ قرآن مجید ان معنوں میں "الرّوح" ہے کہ اس سے مردہ دلوں کو حیاتِ تازہ ملتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کا یہ فضل و احسان ہے کہ اس نے کتاب کی صورت میں ایسی وحی نازل کر دی جس کے ذریعے انسان دُنیا و آخرت میں فلاح و نجات سے ہمکنار ہو سکتا ہے اور خسارہ و نقصان سے بچ سکتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ	اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس رُوح
رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ	یعنی اپنا حکم بھیجا ہے۔

(الشوریٰ - ۵۲)

شِفاء | قرآن مجید کی ایک صفت "شفاء" بھی ہے۔ جس کے معنی کسی مرض پر غالب آنے اور صحت یاب ہونے کے ہیں۔ قرآن مجید اس لحاظ سے "الشفا" ہے کہ اس سے دلوں کے امراض پر قابو پایا جا سکتا ہے اور اس کے ذریعے روحانی اور نفسیاتی بیماریوں، مثلاً جہالت، کبر، غرور، حرص و بخل، حسد اور کینہ وغیرہ کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ	اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے ربّ
مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ	کی طرف سے ایک نصیحت آگئی ہے اور شفا بھی
شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ	ان بیماریوں کے لیے، جو سینے میں ہوتی ہیں
وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ	اور اہلِ ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت۔

(یونس - ۵۷)

صِدق | قرآن مجید کا ایک صفاتی نام "الصِّدق" بھی ہے۔ جس کے معنی "سچائی" اور

"نیک نامی" کے ہیں ۔ قرآن مجید کے "الصدق" ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ سراسر سچائی اور صداقت
ہے ۔ اس کے بیان میں کسی قسم کے جھوٹ کا شائبہ تک نہیں ۔ اس کی باتیں سچی ہیں، اس کے دعوے
برحق ہیں ۔ انسان اور کائنات کے بارے میں جو کچھ اس نے بیان کر دیا ہے وہ حق و صداقت پر
مبنی ہے ۔ اور وہ ایک ایسی کتاب ہے جس کا ذکرِ خیر قیامت تک ہوتا رہے گا ۔ اس کا احترام
ہمیشہ باقی رہے گا ۔

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ
عَلَى اللهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ
إِذْ جَاءَهُ ۚ أَلَيْسَ فِي
جَهَنَّمَ مَثْوًى لِلْكَافِرِينَ ۝
وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ
وَصَدَّقَ بِهِ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ
الْمُتَّقُونَ ۝

پس اس سے بڑھ کر بے انصاف کون ہے
جو اللہ پر جھوٹ لگائے اور سچی بات کو جھٹلائے،
جب کہ وہ اس کے پاس پہنچے؟ کیا ایسے
کافروں کا ٹھکانا جہنم نہ ہوگا؟ اور جو لوگ
سچی بات لے کر آئے اور خود بھی اس
کو سچ جانا تو یہی لوگ ہیں جو پرہیزگار
ہیں ۔

(الزمر ۔ ۳۲ ۔ ۳۳)

عجب قرآن مجید کی ایک صفت "عجب" ہونا ہے ۔ جس کے معنی ہیں "بہت عجیب"، دل پذیر
اور اثر انگیز ۔ قرآن مجید اس اعتبار سے عجب کہلاتا ہے کہ یہ عام انسانی کلام کی طرح کا کلام نہیں ہے،
بلکہ یہ خالقِ کائنات کا کلام ہے جو اپنی فصاحت و بلاغت میں بے نظیر، اپنی تاثیر میں یکتا اور دل پذیری
میں منفرد ہے ۔ یہ ایک معجزہ ہے جس کی مثال پیش کرنے سے تمام مخلوقات عاجز ہیں ۔

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ
نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا
سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۝

آپ کہیں کہ میرے پاس وحی آئی اس بات
کی کہ جنوں میں سے ایک گروہ نے قرآن سنا،
پھر انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک عجب دعجیب
قرآن سنا ہے ۔

(الجن ۔ ۱)

عربی قرآن کی ایک صفت "عربی" ہے ۔ جس کے معنی ہیں فصیح اور واضح طور پر بیان کرنے والا
قرآن مجید کے عربی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عربی زبان میں ہے ۔ اس کی زبان

ایسی ہے جو فصیح و بلیغ ہے۔ اس کے ان میں کوئی الجھاؤ یا ابہام نہیں ہے۔ اس کی بات میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ وہ اپنی بات کو نہایت وضاحت کے ساتھ پیش کرتا ہے اور اپنا مدعا نہایت عمدہ طریقے سے بیان کر دیتا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝	بے شک ہم نے یہ عربی قرآن نازل کیا تاکہ تم سمجھو۔

(یوسف - ۲)

عزیز | قرآن مجید کا ایک صفاتی نام "عزیز" بھی ہے۔ جس کے معنی ہیں "زبردست، غالب، عزت والا اور نادر"۔ یہ نام اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ قرآن مجید اس لحاظ سے عزیز ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا زبردست کلام ہے جس میں کبھی کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ یہ کتاب نہایت عزت و احترام کی حامل ہے اور یہ اللہ کا نادر کلام ہے۔

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ	اور بے شک یہ عزیز (زبردست) کتاب ہے، جس میں باطل نہ آگے سے آ سکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔

(حٰمٓ السجدہ - ۴۱-۴۲)

عظیم | قرآن مجید کا ایک نام "عظیم" بھی ہے۔ جس کے معنی ہیں عظمت والا۔ یہ نام بھی اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ قرآن مجید ان معنوں میں عظیم ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا باعظمت کلام ہے۔ یہ شہنشاہِ کائنات کا عالی مرتبہ کلام ہے۔ اس کی عظمت و جبروت کے آگے پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو سکتے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝	اور بے شک ہم نے آپ کو سات (آیتیں) دیں جو دہرائی جاتی ہیں اور قرآن عظیم۔

(الحجر - ۸۷)

علم | قرآن مجید کی ایک صفت "العلم" ہے جس کا مطلب ہے یقینی علم، صحیح معلومات، حقیقت نفس الامری کا علم، حقیقت و واقعیت کا معلوم ہونا۔

قرآن مجید اس پہلو سے "علم" ہے کہ خالقِ کائنات اور علیم و خبیر خدا کا اُتارا ہوا علم ہے، جو حقائق و واقعات کا صحیح علم ہے اور جس میں غلطی اور خطا کا کوئی امکان نہیں۔

وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝

اور اسی طرح ہم نے اس (کتاب) کو نازل کیا ہے بطور ایک صاف حکم کے اور اگر آپ کہیں ان کی خواہشوں پر چلنے لگیں بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم پہنچ چکا ہے تو آپ کا نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا۔

(الرعد - ۳۷)

فرقان | قرآن مجید کا ایک نام "الفرقان" بھی ہے جس کے معنی ہیں "فرق کرنا"، حق و باطل میں فرق و امتیاز کرنے والا، اور حق و باطل کا فیصلہ کرنے والا۔ قرآن مجید اس لحاظ سے "الفرقان" ہے کہ یہ حق و باطل کی راہوں میں اور حلال و حرام چیزوں میں فرق و امتیاز کرتا ہے۔ اپنے اوامر و نواہی کو وضاحت سے بیان کرتا ہے۔ اور اپنے ماننے والوں کے لیے بصیرت کی روشنی ہے جس سے وہ صواب و ناصواب اور جائز و ناجائز میں تمیز کر سکتے ہیں۔ وہ ایک معیار اور کسوٹی ہے جس سے ہر چیز کی قدر و قیمت کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝

بڑی عالی ذات ہے وہ جس نے یہ قرآن اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ وہ تمام اہلِ جہان کے لیے خبردار کرنے والا ہو۔

(الفرقان - ۱)

(باقی)

قرآن مجید کے ہندی تراجم

مولانا محمد فاروق خاں - انڈیا -

(۲)

قرآن مجید کے ہندی تراجم میں ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کے شایانِ شان ایک خاص اسلوب اور زبان طے کر کے اس اہتمام کے ساتھ قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کی کوشش نہیں کی گئی جو اہتمام ہمیں بائیبل کے ترجموں میں نظر آتا ہے۔ بائیبل کے ترجمے کا ایک خاص اسلوب اور اس کی ایک خاص زبان ہے۔ بائیبل پیپر کی طرح اس کی زبان و اسلوب بھی دنیا میں معروف و مشہور ہے۔

پھر ہندوستان کے غیر مسلموں (خاص طور سے ہندو بھائیوں) کی رعایت سے ضروری تھا کہ حتی الامکان ان کی اصطلاحات اور ان کے مزاج و تہذیب کا بھی ترجمے میں لحاظ رکھا جاتا۔ اس طرف بھی توجہ نہیں ہو سکی۔ حالانکہ قرآن مجید کے پیغام سے مانوس اور اس سے قریب کرنے کے لیے اُن کی زبان کے ساتھ ساتھ ان کے ذوق و مزاج کا لحاظ بھی اس حد تک ضروری تھا جس حد تک اس کا لحاظ کرنے میں کوئی شرعی قباحت مانع نہ تھی۔

اِس سلسلے میں دو ترجمے ایسے ملتے ہیں جن میں ہندو سامراج اور ان کی تہذیب اور ان کے مذہبی جذبات کی رعایت پائی جاتی ہے۔ اگرچہ اس رعایت میں کہیں کہیں ہمیں غلو بھی دکھائی دیتا ہے۔ اِن میں سے قرآن مجید کا ایک ہندی ترجمہ تو وہ ہے جو اورنگ زیب کی بیٹی زیب النساء کے لیے اس کے اتالیق نے تیار کرایا تھا جس کا ذکر ہندی تراجم کے تعارف میں ہم کر آئے ہیں اور دوسرا ترجمہ جو صرف قرآن مجید کی چند سورتوں اور چند اہم آیات کا ہے۔ ایک صوفی بزرگ مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ کا ہے

اس ترجمے کا ذکر بھی ہم کر چکے ہیں۔ ان دونوں ہی ترجموں میں ہندو تہذیب اور ان کے لسانی مزاج و ذوق کا پورا لحاظ پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جو ترجمہ زیب النساء بنت اورنگ زیب کے لیے کیا گیا تھا اس میں فارسی و عربی کے الفاظ سرے سے استعمال نہیں کیے گئے ہیں۔ ترجمے میں ہندی اور ہندی نفسیات کی رعایت بھی ملحوظ ہے۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں:

اصل الفاظ	ترجمہ	اصل الفاظ	ترجمہ
اللہ	نارائن، بھگوان، پرمیشر کرتا۔	دین	دھرم۔ چلن
آیت	پنتھ، بانگی، لوک، مکرشی	جہنم	نرک
فرشتے	دیو	سجدہ کرو	سیس نواؤ
فسق	چھنالا	جبریل	دیوتا، سیوک کرتار کا
رسول	بسیٹھ	ولی	میت
حکمت	سمجھ بوجھ، ویدانت	مغفرۃ	مکت
روزہ	برت	حج	دیکھنا، درشن کرنا۔
سکینہ	سکھ چین	رِضْوَانٌ مِّنَ اللہ	آنند ہے کرتار بہت بڑے کا۔
عباد	سیوکوں	وجیہہ	موہنی مورت
ربانی	مہنت	احبار	سدھ
سلام علیکم	سکھی ہو تم پہ	دار السلام	بیکنٹھ نگری
جلوہ گر ہوا	درس دیا	قیامت	پرلوک
یُسریٰ	سہج اور سکھ ساتھ	شہداء	سچیار
مِنْ مَکَانٍ بَعِیْد	کالے کوسوں سے	شریک	سمجھیار
کافر	آدھرمی		

مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے ترجمے کی بھی یہی شان ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

اصل لفظ	ترجمہ	اصل لفظ	ترجمہ
مُفْلِحُوْن	اُمنگ، پاؤن ہار	اِلٰہ	پریتم

اصل الفاظ	ترجمہ	اصل الفاظ	ترجمہ
ولی	بیت میت	اللہ	مومن، امن موہن
مالک الملک	راج گوسائیں	رزق	بھوگ
کتاب	آکاش باتی	نبی	اوتار، بھیجیڈ۔
اصحاب جنت	بیکنٹھ باسی	قرآن مبین	اجلا وید
وَکُنْتُ نَسْیاً مَنْسِیًّا	اور بھولی بسری ہو جاتی	کُلُّ مَنْ شَیْءٍ فَانٍ	سارا سنسار مٹنہار ہے۔
یَسْئَلُہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	سارا سنسار اسی کے دوار کا بھکاری ہے	تسبیح	اُتم سمرن
		فلاح یاب ہوگے	تر جاؤگے
		سجدہ	للاٹ دھرنا
آیات	چنھائیاں		
یَوْمُ الدین	چکوتی کا دن		

اِن چند مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اِن ترجموں میں ہندو سامراج و ذوق کا پورا خیال رکھنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ اس کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ بے جان اور سپاٹ نہ ہو۔ لیکن چونکہ ترجمہ کی زبان قدیم ہے اس لیے اس میں سدھار اور نکھار کی گنجائش پائی جاتی ہے ۔

ہندی ترجمے بالعموم منفرد اشخاص نے کیے ہیں ۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ کچھ باصلاحیت اور تجربہ کار افراد پر مشتمل ایک سوسائٹی تشکیل دی جاتی اور سوسائٹی کے افراد باہم مل کر ایک ترجمہ تیار کرتے ۔ اس صورت میں کامیابی کی زیادہ توقع تھی ۔ بائیبل کا جو بہترین ترجمہ ہمارے سامنے ہے اُس کی کامیابی کا اصل راز یہی ہے کہ اسکے ترجمہ کے لیے باصلاحیت افراد کا تعاون حاصل کیا گیا اور انہوں نے بائیبل کے ترجمے کے لیے ایک منفرد قسم کی زبان (BIBLICAL LANGUAGE) متعین کی ۔ انہوں نے جو سادہ ، پاکیزہ اور دل پر اثر کرنے والی زبان تجویز کی پورے ترجمے میں اس کا لحاظ رکھا ۔

بائیبل کے ترجمے میں دوسری قسم کے اعتراضات تو ممکن ہیں لیکن اس کے اسلوب اور زبان پر اعتراض مشکل ہے ۔ بائیبل کے ترجمے پر دوسرے اعتراضات کیے جا سکتے ہیں مثلاً عبرانی میں ایل کی اصل الوہیم

موجود ہے۔ یہی عربی کے اللہ کی اصل ہے۔ تورات الوہیم سے شروع ہوتی ہے۔ تورات میں یہ لفظ کثرت سے مستعمل ہے۔ یہی ایل کی اصل ہے۔ پریشانی کی بات یہ ہے کہ ایل یا اِلٰہ کا لفظ اللہ کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی استعمال کرنے لگے۔ مثلاً:

"خدا کی جماعت میں خدا موجود ہے۔
وہ الٰہوں کے درمیان عدالت کرتا ہے۔
تم کب تک بے انصافی سے عدالت کروگے۔
اور شریروں کی طرف داری کروگے۔" (زبور-۸۲)

اس میں خدا جس لفظ کا ترجمہ کیا گیا ہے وہ "الوہیم" ہے۔ یہ واحد اور جمع دونوں ہی کے لیے استعمال ہو سکتا ہے۔ یم جو عبرانی میں جمع کی علامت ہے۔ تعظیم کے لیے بھی آسکتی ہے۔ پس خدا کی جماعت دراصل الٰہوں کی جماعت ہے۔ بعد کے فقرے کا پہلے فقرے کے مشابہ لانا عبرانی زبان کا ایک عام اسلوب ہے۔ صحیح مفہوم یہ ہے کہ اللہ حکام کے درمیان مجمع میں موجود ہے اور وہ ججوں کے درمیان عدالت کرتا ہے۔ پس کب تک بے انصافی سے عدالت کروگے اور شریروں کی طرف داری کروگے۔

قرآن مجید میں بھی ہے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ مَا يَكُونُ
مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ
وَلَا أَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ۖ ثُمَّ
يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

(المجادلہ - ۷)

"کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ نہیں ہوتا تین کا مشورہ مگر چوتھا وہ ہوتا ہے اور نہ پانچ کا مگر چھٹا وہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم یا بیش کا مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں بھی ہوں۔ پھر ان کو خبر دے گا ان کے عمل کی قیامت کے دن۔ بے شک اللہ ہر بات جانتا ہے۔"

ایک اور مقام دیکھیں:

"پھر خداوند نے موسیٰؑ سے کہا دیکھو میں نے تجھے فرعون کے لیے خدا ٹھہرایا اور تیرا بھائی تیرا پیغمبر ہوگا" (خروج ۷:۱)

صحیح مطلب یہ ہے کہ تجھ کو امیر مقرر کیا اور ہارونؑ فرعون سے بات کرنے کے لیے تیرا سفیر ہوگا۔ اسی طرح پیدائش باب ۳۲، آیت ۲۴، ۲۹ دیکھیں۔ اس میں جہاں جہاں عفریت یا جبّار وغیرہ الفاظ ہونے چاہئیں تھے، وہاں اِلٰہ اور ایل لکھ دیئے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے یعقوبؑ خدا سے کشتی لڑنے اور اس کے ساتھ زور آزمائی کرتے دکھائی دینے لگے۔

اِسی طرح انجیل کے ترجمہ میں بھی بعض ایسی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں کہ انجیل کی آیات کا مفہوم ہی بدل کر رہ گیا ہے۔ ڈاکٹر ٹوری کی تحقیق کی رُو سے انجیل کا ترجمہ آرامی سے یونانی میں ہوا تھا۔ متعدد مقامات پہ یونانی میں ترجمہ کرتے ہوئے غلطیاں ہوگئی ہیں جس کی وجہ سے اناجیل اربعہ کی بہت سی آیات سمجھ میں نہیں آتیں۔ یونانی سے جب دوسری زبانوں میں انجیل کے ترجمے ہوئے تو وہ غلطیاں اُن ترجموں میں بھی منتقل ہوگئیں۔ ٹوری نے ان غلطیوں پر شرح و بسط کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ یہاں ہم مثال کے لیے صرف دو غلطیوں کا ذکر کریں گے۔

انجیل لوقا میں ہے:

"اور مالک نے بے ایمان مختار کی تعریف کی اس لیے کہ اُس نے ہوشیاری کی تھی .... اور میں تم سے کہتا ہوں کہ ناراستی کی دولت سے اپنے لیے دوست پیدا کرو تاکہ جب وہ جاتی رہے تو یہ تم کو ہمیشہ کے مسکنوں میں جگہ دیں۔"

(لوقا ۱۶: ۸-۹)

"ناراستی کی دولت سے اپنے لیے دوست پیدا کرو۔" یہ حضرت مسیحؑ کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ پروفیسر ٹوری کے نزدیک آرامی زبان میں استفہامیہ نشان نہیں پایا جاتا تھا لیکن سیاق و سباق کے ذریعے سے ظاہر ہوتا تھا کہ فقرہ بیانیہ نہیں استفہامیہ ہے۔ لہجہ بتاتا تھا کہ کہنے کا منشا کیا ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہوگا:

"کیا مالک نے بے ایمان مختار کی تعریف کی اس لیے کہ اس نے ہوشیاری کی تھی؟ (ہرگز نہیں)

.... اور کیا میں تم سے کہتا ہوں کہ ناراستی کی دولت سے اپنے لیے دوست

پیدا کرو؟ ہرگز نہیں .....۔"

یوحنا میں ہے:

"وہ نہ خون سے، نہ جسم کی خواہش سے، نہ انسان کے ارادہ سے بلکہ خدا سے پیدا

ہوئے۔" (یوحنا: ۱۳)

یہاں بھی ترجمہ میں غلطی ہوئی ہے۔ حرف عطف "و" جس سے اگلا جملہ شروع ہوتا ہے اس آیت کے آخری لفظ فعل "ہونا" کا حصہ سمجھ لیا گیا۔ جس کی وجہ سے فعل واحد ہونے کے بجائے جمع ہو گیا ___ یعنی "پیدا ہوا" کے بجائے "پیدا ہوئے" ہو گیا۔ آرامی اور عبرانی میں حرف واؤ حرف عطف ہونے کے علاوہ جمع کی علامت بھی ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہو گا:

"وہ خون سے، نہ جسم کی خواہش سے، نہ انسان کے ارادے سے بلکہ خدا سے

پیدا ہوا۔"

جہاں تک بائیبل کے ترجمے کی زبان کی بات ہے۔ اس کے موثر اور مناسب ہونے سے انکار کرنا مشکل ہے۔ بائیبل کے کئی انگریزی ترجمے ہوئے۔ یہ ترجمے لاطینی، یونانی، عبرانی اور انگریزی زبانوں کے بڑے بڑے ماہرین نے مل کر کیے ہیں۔ بائیبل کے تراجم کی خصوصیات یہ ہیں کہ آسان انگریزی یا اردو اور ہندی زبان استعمال کرنے کے باوجود ان میں یہ خیال رکھا گیا ہے کہ کلامِ ربانی کی شان باقی رہے اور آج تک اس کی پابندی ہو رہی ہے۔ پروٹسٹنٹ تحریک نے بھی انجیل کا ترجمہ کرتے وقت اس نکتے کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ اسے ملحوظ رکھا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جب کسی عام انگریزی عبارت میں کسی کیریکٹر کی زبان سے ایسے جملے ادا کرنا مقصود ہوتا ہے جس میں کلام ربانی کی شان پائی جاتی تو اسے انجیل کے اندازِ بیان کے مشابہ رکھا جاتا ہے۔ یعنی جملے ایسے لکھے جاتے ہیں جو سادہ انگریزی ہونے کے باوجود اپنے گرد تقدس کا ہالہ رکھتے ہیں۔ اور وہ انجیل کے فقروں، استعاروں، ضرب المثلوں اور اس کی ہدایات کے مشابہ ہوتے ہیں۔

کسی مقدس کتاب کے ترجمے کے سلسلہ میں ضروری ہے کہ جس زبان میں بھی اس کا ترجمہ کرنا ہو، اس زبان میں اس لب و لہجہ کے مقدس الفاظ اور محاورات تلاش کیے جائیں جن میں کلامِ ربانی

کی شان پائی جاتی ہو۔

قرآن مجید کے ہندی ترجمے سے متعلق آئندہ کام کے سلسلے میں میرے نزدیک ضروری ہے کہ ترجمے کو زیادہ سے زیادہ صحیح بنانے کے ساتھ ساتھ اس کی زبان میں ایک خاص قسم کی مٹھاس، تڑپ اور تقدس لانے کی کوشش کی جائے اور یہ کوشش ہو کہ ترجمے میں ذہن سے زیادہ دل کی گھلاوٹ شامل ہو جائے اور اگر کوئی بورڈ یا سوسائٹی یہ خدمت انجام نہ دے سکے تو کم سے کم کسی کے کیے ہوئے ترجمے کے چھپنے سے پہلے کئی اصحابِ ذوق و معرفت اس کا مطالعہ کر لیں اور بے لاگ اپنی رائیں اور مشورے دیں تاکہ ترجمہ زیادہ سے زیادہ مفید مطلب ہو سکے۔

ترجمے میں اس کا بھی خیال رکھا جائے کہ قرآن میں جہاں کہیں سابقہ کتبِ آسمانی کے حوالہ جات ہیں قرآن کے ترجمے میں بائبل کی عبارت ضرور سامنے رکھیں۔ قرآن نے بیانِ احکام اور تاریخی واقعات کے ذیل میں بھی جگہ جگہ ایسی تلمیحات رکھ دی ہیں کہ وہ اس وقت تک پورے طور پر واضح نہیں ہوتیں جب تک کہ قدیم صحیفوں سے واقفیت نہ ہو۔

بائبل کے اتھنٹک ہونے میں خواہ کسی کو شبہ ہی کیوں نہ ہو، لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے اندر کلامِ الٰہی اور نبیوں کے کلام کا ایک معتدبہ حصہ موجود ہے، جس کی پہچان مشکل نہیں۔ قرآن سے بھی ان کے پہچاننے میں مدد مل سکتی ہے۔

(ماخوذ از ششماہی علوم القرآن - سر سید نگر، علی گڑھ)

تصحیح اغلاط شمارۂ دسمبر

ص ۲۰۵/۳۷	نیچے سے سطر ۳	یُذَبِحُ کے بجائے	یُذَبِّحُ
ص ۲۰۶/۳۸	سطر ۴	وَارِثِیْنَ کے بجائے	وَارِثِیْنَ
ص ″	″ ۵	لَا نُمَكِّنُ کے بجائے	وَ نُمَكِّنَ
ص ″	″ ۹	فَالْتَقَطُهُ کے بجائے	فَالْتَقَطَهٗ
ص ۲۰۸/۳۹	نیچے سے سطر ۳	كَيدَ الْكٰفِرِيْنَ کے بجائے	كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ

جدید علوم اُمّتِ محمّدیہ کے لیے چیلنج

پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

آج سے چودہ سو سال قبل اسلامی تہذیب و تمدن کا آغاز غارِ حرا میں نازل شدہ ایک وحی سے ہوا تھا۔ پہلی وحی یہ تھی۔ "پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا ہے۔" دوسری وحی پھر یہ نازل ہوئی۔ "اُٹھو، لوگوں کو ڈراؤ، اپنے رب کی عظمت بیان کرو۔" یہ علم کو پروان چڑھانے والی، اشاعتِ تعلیم کی داعی تہذیب ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی عظمت و تقدیس بیان کرنے والی تہذیب ہے۔ یہ قومی، وطنی اور گروہی بنیادوں پر قائم ہونے والی تہذیب نہیں ہے۔ بلکہ آفاقی اور عالمگیر تہذیب، اس کا رب رب العٰلمین ہے۔ اس کا رسول رحمۃ للعالمین ہے۔ اس کا قرآن ہُدی للعالمین ہے۔ اس کی دعوت سارے انسانوں کے لیے ہے۔ اس کا خطاب انسان سے بحیثیت انسان کے ہے۔

اس نے پہلے مضبوط عقاید بیان کیے۔ اس نے عبادات کا اجرا فرمایا تاکہ ان عقاید کا بار بار استحضار ہوتا رہے۔ ان عقاید اور عبادات سے افراد کی تعمیرِ سیرت کی۔ ان افراد سے معاشرہ کی تشکیل کی۔ پھر مدینہ کی ریاست اور سیاست کا اجرا فرمایا۔ اپنی جداگانہ انفرادیت اور امتیاز کا مظاہرہ کرنے کے لیے رائج الوقت اصطلاحات سے اجتناب کیا۔ ان کے معنوں میں تبدیلی کی۔ یہاں مملکت نہیں خلافت ہے۔ بادشاہ یا شہنشاہ نہیں، خلیفہ ہے۔ یہاں ٹیکس نہیں زکوٰۃ ہے۔ یہاں جنگ نہیں جہاد ہے۔ یہاں دنیا منتہا نہیں آخرت منتہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مدینہ میں ایک نیا انسان تخلیق ہوا۔ ایک نیا معاشرہ وجود میں آیا۔ ایک نئی ریاست جلوہ گر ہوئی۔

جب یہ تہذیب اپنی آفاقی دعوت کی مہم پر روانہ ہوئی تو ملک کے ملک اور قوموں کی قومیں اس کے

سامنے سرِ اطاعت خم کرتی چلی گئیں۔ حسنِ عمل، حسنِ کردار اور حسنِ اخلاق کی بے پناہ کشش کے آگے مقابل کوئی نہ ٹھہر سکا۔ دشمنوں نے پروپیگنڈا کیا کہ یہ سب جبر و ظلم سے ہوا ہے۔ کیا کوئی فرد جبر سے اپنے دل و دماغ کی دنیا ہمیشہ کے لیے تبدیل کر لیتا ہے؟ کیا کوئی قوم جبر سے اپنی صدیوں کی تہذیب، روایات اور مذہب کو ہمیشہ کے لیے ترک کرتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ دل و دماغ، قلب و نظر اور فکر و عمل کی تبدیلی تھی۔ یہ حق کی مقناطیسی قوت کی کشش تھی۔

یہ تہذیب جب پروان چڑھی تو اس نے اردگرد کے ماحول سے غذا حاصل کی۔ یونانی، ایرانی، اور ہندی علوم کو پڑھا اور پرکھا۔ ان میں رطب و یابس، حق و باطل، خرافات و وہمیات کی اچھی خاصی آمیزش تھی۔ اس میں دیوتاؤں کی کرشمہ سامانیاں تھیں۔ مسلمان حکما نے ان علوم کو پڑھا اور پرکھا، چھانا اور پھٹکا۔ حق کو باطل سے جدا کیا۔ مغز کو پوست سے علیحدہ کیا۔ یہ سب انھوں نے اس بصیرت و بصارت کے مطابق انجام دیا جو انھیں اسلامی تہذیب نے عطا کی تھی۔ انھوں نے اجزائے خالص کو جدا کیا۔ اور نئی ترتیب اور نیا لباس دیا۔ انھوں نے اس میں اپنے مشاہدے اور تجربے سے غیر معمولی اضافہ کیا۔ جہاں سے جو لیا تھا اس کا برملا ذکر کیا۔ حق داروں کا حق ادا کیا۔ یہ مختلف علوم کی اکائیاں تھیں۔ ان سب کو باہم جوڑا، مربوط کیا۔ توحید کے پرستاروں نے "وحدتِ علم" کا مظاہرہ کیا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ "عظمتِ رب" کے نغمہ خوانوں نے دینی، اخلاقی اور روحانی اقدار کو اس آمیزہ میں شامل کیا۔ عظمتِ رب کا نعرہ لگانے والے علوم کو اخلاقی اقدار سے عاری نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ علوم کو اقدار کے ماتحت کیا۔ بولہب کو حیدر کرار بنایا تاکہ یہ انسانوں کی فلاح و بہبود کا ذریعہ بنے۔ علوم و فنون سے مخلوقِ خدا کی خدمت کی۔ دینی اور اخلاقی اقدار کی مضبوط گرفت نے افراد کو اور معاشرہ کو بے راہ روی سے بچایا۔ گمراہی سے روکا۔ راہِ حق پر چلایا۔ پُرامن معاشرہ برپا کیا۔

خلافت اگرچہ جلدی ہی ملوکیت میں تبدیل ہوگئی اور معیاری خلافت کا دور باقی نہیں رہا۔ تاہم دینی اور اخلاقی اقدارِ حیات کا چلن بدستور جاری رہا۔ عدل و انصاف کے متلاشی غیر مسلم بھی۔ یہود، نصاریٰ اور ہنود ـــ مسلمان معاشرہ میں آکر پناہ پکڑتے تھے۔ حسنِ اخلاق اور حسنِ کردار کے اعلیٰ نمونے عوام سے لے کر خواص تک ہر جگہ مل جاتے تھے۔ عوام میں بایزید بسطامیؒ، جنید بغدادی، نظام الدین محبوب اولیاء اور امرا میں نور الدین زنگی، صلاح الدین ایوبی، سلطان محمود بیگڑھ اور شہنشاہ

اور رنگ زیب عالمگیر مل جاتے ہیں۔ یہ تھے اسلامی تہذیب کے پہلو، روشن اور چمک دار پہلو۔ ہم مسلمانوں کے سامنے یہ پہلو رہنے چاہئیں۔

آج ہم مغربی تہذیب سے دوچار ہیں۔ اس کے زیرِ اثر زندگی گذار رہے ہیں۔ اس کا ایک پہلو بڑا تابناک ہے۔ سائنس کی دنیا میں اس تہذیب نے غیر معمولی ترقی کی ہے۔ آج کا انسان سمندر کی پاتال میں جا پہنچا ہے۔ ماہ و مریخ کے پہاڑوں کی سیر کر رہا ہے۔ زمین پہ پہاڑوں کے دل چیر رہا ہے۔ عناصر پہ حکمران بنا بیٹھا ہے۔ عجیب و غریب ایجادات سے اس نے انسان کی زندگی کو بے اندازہ آرام و آسائش سے ہمکنار کیا ہے۔ آج فاصلے سمٹ گئے ہیں۔ چند گھنٹوں میں انسان دنیا کے کونے کونے میں پہنچ سکتا ہے۔ انسان کی بینائی اور شنوائی ہزاروں میل تک وسیع ہو گئی ہے کوئی شک نہیں کہ یہ تہذیبِ جدید کا روشن پہلو ہے اور خوش آئند پہلو ہے۔

مگر یہ حسی تہذیب ہے۔ یہاں حق و صداقت وہ ہے جس میں تجربہ پذیری اور تکراریت کی صلاحیت ہو۔ جس میں یہ صفت مفقود ہے وہ حق نہیں ہے، صداقت نہیں ہے۔ اس لیے مذہب و اخلاق سے تعلق رکھنے والی ہر شے کو اس نے جذباتیت کہہ کر رد کر دیا ہے۔ جو شے ہے وہ اخلاقی و اقدار سے برہنہ ہو کہ اس تہذیب کے پاس آئے تب اس کو قبول کیا جاتا ہے ورنہ نہیں۔ اس طرح معاشرتی دنیا اور عمرانی دنیا سے اخلاقی اور دینی اقدار کو خارج کر دیا گیا ؏

جائے خالی را دیواں می گیرند

کے اصول پہ خالی جگہ پہ اغراض پرستی کا بت براجمان ہو گیا۔ ہر فرد اور ہر ریاست اغراض کی پرستار ہے۔ حیرت ہے کہ مادیت کی تحقیق میں جو تہذیب سائنٹفک معروضیت کی شیدا ہے وہ عالمِ انسانیت کی عمرانی دنیا میں، اغراض پرستی سے بلند تر کسی مطمحِ نظر کی قائل نہیں ہو سکی۔

دینی اور اخلاقی اقدارِ حیات کا انکار کر دینے کے بعد جدید تہذیب نے عالمِ انسانیت میں کوئی ترقی نہیں کی۔ جدید علوم و فنون کی فراوانی نے کسی خاص اور کسی بہتر انسان کی تخلیق نہیں کی۔ افکار و تصورات، اعمال و کردار کا کوئی اعلیٰ نمونہ سامنے نہیں آیا۔ عدل و انصاف کا اعلیٰ نمونہ پیش نہیں کیا جو نوعِ انسانی کی خدمت کرتا۔ اس کے زخموں پہ مرہم رکھتا۔ اس کی دلجوئی کرتا، جس کی سارا زمانہ قدر کرتا۔

اغراض ومفادات کے علاوہ کسی بُت سے وہ واقف نہیں جس کی پُوجا کی جائے۔ اغراض پرستی، وطن پرستی، قوم پرستی اور نسل پرستی وہ بُت ہیں جن سے وہ واقف ہے، جن کی وہ پجاری ہے، اُس نے افاقیت، عالمگیریت اور انسانیت سب کی بیک وقت دھجیاں بکھیر دیں۔ وحدتِ انسانی کا تصور ہوا میں اُڑ گیا۔ قوموں کے درمیان کوئی مسلّم اقدار نہیں ہیں، جن کو سب بلاچون و چرا مانتے ہوں۔ کوئی عمل ان قوموں کا ایسا نہیں ہے جو اغراض پرستی کا اور تنگ نظری کا مظہر نہ ہو۔ اغراض پرستی میں تصادم اور آویزش لازمی ہے۔ بڑا طبقہ چھوٹے طبقے کو، طاقتور کمزور کو، بڑی قوم چھوٹی قوم کو، ظلم کی چکی میں پیس رہی ہے۔ اقوام کے درمیان کوئی ایسی مشترک قدر نہیں ہے جس کا حوالہ دے کر رحم کی درخواست کی جائے۔ اقوامِ متحدہ کا ادارہ اسی مقصد کے لیے تشکیل دیا گیا تھا۔ مگر پہلے ہی مرحلے پر اغراض پرستی نے "چھ بڑوں" کو معصوم قرار دے دیا۔ یہاں بھی بڑوں کا ظلم چھوٹوں پر برقرار رہا۔

ایک جانب مادی قوتوں کا غیر معمولی ارتکاز مغربی انسان کے ہاتھ میں ہو گیا — دوسری جانب وہ اپنی اخلاقی اقدار سے اور آخرت کے خوف سے بے نیاز ہے۔ ایک برہنہ دیو ہے جس کے ہاتھ میں ع

لا کلیسا، لا سلاطین، لا اِلٰہ

کی تلوار ہے۔ یہ حیوانی تہذیب ہے صرف مادی طاقت کو جانتی ہے۔ بس اسی پر انحصار ہے۔ آج ہر قوم ہلاکت خیز ہتھیاروں کی تیاری پر اربوں کھربوں کی رقومات صرف کر رہی ہے۔ کوئی ان سے پوچھنے والا نہیں ہے کہ کس کو تباہ کرنے کی تیاری ہو رہی ہے؟ کیا زمین پر نوعِ انسانی کو زندہ رہنے دیں گے؟ انسان آج ہلاکت اور بربادی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ کسی دور میں اور کسی تہذیب کے زمانہ میں انسان اتنا خوف زدہ اور لرزہ براندام نہیں ہوا۔ جتنا کہ آج جدید تہذیب کے زیرِ سایہ ہے عیش و عشرت کے باوجود دل کی دُنیا ویران ہے۔

یہ ہے موجودہ صورتِ حالات، ان حالات میں غور کیجیے اُمتِ محمدیہ اور ملتِ اسلامیہ کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ مسلمانوں کے کیا فرائض ہیں؟ دوسرا کوئی نبی اب آنے والا نہیں ہے — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے لیے اور قیامت تک کے لیے نبی مبعوث ہوئے ہیں۔

اس لیے دنیا کے سارے انسان آپ کی اُمتِ دعوت ہیں ۔ اور جو آپ پر ایمان لے آتے ہیں وہ اُمتِ اجابت ہیں ۔ اب یہ فریضہ اُمتِ اجابت کا ہے کہ وہ اُمتِ دعوت کو راہِ حق پر لانے کی پوری طرح جدوجہد کرے ۔ شہادت علی الناس کا فرض دنیا والوں کے سامنے ادا کرے ۔ ان کی غلط کاری اور غلط روی میں کسی قدر ہم بھی جواب دہ ہیں ۔ اُمتِ دعوت کو تباہی اور غارت گری سے بچانے کی ذمہ داری اب ہم مسلمانوں کی ہے ۔ اُمتِ محمدیہ اور ملتِ اسلامیہ کی ہے ۔ جس کے لیے ہم شرعاً مکلف ہیں ۔ راہِ حق بتانا اور دکھانا اب ہمارا فریضہ ہے ۔

اس لیے یہ بھی اب ہمارا فریضہ ہے کہ اسلاف کی مانند جدید علوم کے قافلہ کو ہم راہِ راست پر لائیں ۔ سائنس اور ٹیکنالوجی میں دینی اور اخلاقی اقدار کو ملا کر نیا آمیزہ تیار کریں ۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کو نیا ملبوس عطا کریں اور بقول علامہ اقبال ؒ

بولہب را حیدرِ کرار کُن

پہ عمل کریں ۔

یہ ہمارا فریضہ ہے کہ جدید علوم سے بے دینی اور ہلاکت آفرینی کے اجزا دُور کریں ، اور ان میں دینی اور اخلاقی اقدار کو سمو دیں ۔ تمام علوم کی خدا سے بیگانگی کو دُور کریں ۔ سب کو وحدتِ علم کے رشتہ میں منسلک اور مربوط کریں ۔

سائنس بغیر دین کے ایک عفریت ہے اور دین بغیر سائنس کے جمود ہے ۔ یہ کام اب ہمارے مسلمانوں کے ذمہ ہے ۔ ہم اُمتِ اجابت ہیں ۔ اگر یہ مقصود ہو تو سائنس کی تعلیم فرضِ کفایہ کیا اس وقت تو فرضِ عین ہے ۔ مسلمانوں نے شہادت علی الناس کا فریضہ ادا نہیں کیا تو وہ گنہگار ہوں گے ۔

مگر یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مادی علوم کی تعلیم مسلمانوں کے ہاتھوں میں کیوں رحمت تھی اور اب اہلِ مغرب کے ہاتھوں میں کیوں زحمت ہے ۔ مسلمانوں کی تہذیب کا آغاز اس وحی سے ہوا تھا ۔ " پڑھ اپنے ربّ کے نام سے جس نے پیدا کیا " ۔ مسلمانوں نے علوم کو ربّ کے نام سے پڑھا ۔ ربّ کے نام سے پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ مقصود تمام علوم کا عظمتِ ربّ اور تقدیسِ ربّ تھا ۔ غیر اللہ کے نام سے نہیں پڑھا ۔ وطن پرستی ، قوم پرستی ، نسل پرستی ،

قومی عظمت اور حکومت کی عظمت کے لیے نہیں پڑھا۔ مسلمانوں کا نقطۂ نظر آفاقی اور عالمگیر تھا۔ قومی محدودیت نہیں تھی۔ مسلمانوں کا خطاب سارے انسانوں سے تھا۔ ان میں قومی تنگ دلی نہیں تھی۔ وہ اللہ کے بندے تھے۔ حق پرستی ان کا شعار تھا۔ اغراض پرستی ان کا مسلک نہیں تھا۔ کالے گورے کی کوئی تمیز نہیں، بے لاگ عدل پر ان کا عمل تھا۔ ان کی سیاست اخلاقی اقدار کے ماتحت تھی۔

اہلِ مغرب کی سیاست شترِ بے مہار اور فیلِ بے زنجیر ہے۔ ان وجوہات سے یہ فرق پیدا ہوا۔

مطبوعات

آج کے بچے کل کے جوان | مرتب: جناب طالب الہاشمی۔ ناشر: صابر قرنی، منیجنگ ڈائریکٹر حسنات اکیڈمی (پرائیویٹ) لمیٹڈ، منصورہ، ملتان روڈ لاہور۔ صفحات: ۱۴۴۔ قیمت: ۱۵/- روپے۔

پہلے پہل میں نے اسے ایک سرسری کتاب سمجھا، کیونکہ طالب ہاشمی صاحب کی استادانہ تصانیف کا دائرہ دوسرا رہا ہے۔ مگر پڑھنے پر معلوم ہوا کہ موضوع کا کوئی ماہر بات کر رہا ہے۔

طالب صاحب توجہ دلاتے ہیں کہ تربیت کا کام ایک دن کے بچے سے شروع ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں بعض ماہرین کا کہنا ہے کہ پورا جنینی دور بھی تربیت کے دائرے میں آتا ہے۔

بہت سے ضروری پہلوؤں پر جو باتیں طالب صاحب نے سامنے رکھی ہیں، ان کے ساتھ نفسیاتِ اطفال کی روشنی شامل ہے۔ مثلاً بچے کو جھوٹ سے بچانے کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ "اس بیماری یا عادت کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ بچے کے والدین، بڑے بہن اور بھائی یا قریبی رشتہ دار اس کے سامنے بڑی بے تکلفی سے جھوٹ بول دیتے ہیں۔ مثلاً آپ سے کوئی ملنے آتا ہے، آپ اس سے ملنا نہیں چاہتے تو آپ بچے سے کہتے ہیں کہ جاؤ اور کہہ دو، ابا گھر پر نہیں ہیں۔ لیجیے، آپ نے بچے میں جھوٹ بولنے کی عادت کی بنیاد رکھ دی" (ص ۱۳۱)۔

کئی غلط باتیں ہم لاپروائی میں بچوں کے سامنے کرتے ہیں۔ مثلاً ہم ایک لباس یا تصویر کی ہیئت یا کسی کردار یا شخص کی تعریف کرتے ہیں۔ قدرتی طور پر بچے کے ذہن میں اس کی اچھائی کا نقش بیٹھ جاتا ہے۔ حالانکہ آپ نے محض نمائشی اور سرسری طور پر تعریف کی تھی۔ اِسی طرح متضاد باتوں کا جمع کرنا بچوں کو اُلجھن میں ڈال دیتا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ امانت اچھی چیز ہے۔ مگر آپ کا دوسرا بھائی بھتیجا ساتھ بیٹھا ہوا یہ کہتا ہے کہ آج کل کے چور لوگوں کے ساتھ دیانت داری سے کام نہیں چلتا اور آپ

تائید کر دیتے ہیں۔
کتاب کی یہ خوبی ضرور سامنے لائی جانی چاہیے کہ بکثرت مقامات پر احادیث اور اسوۂ رسولؐ سے رہنمائی اخذ کی گئی ہے اور دینی حکمت آج کل کی عقلی عیار سے زیادہ تربیتِ اطفال کے اہم اسباق مہیا کرتی ہے۔ اس کے مختلف ابواب میں مختلف خوبیوں اور خرابیوں کو بیان کیا گیا ہے۔ ان کو حادثات سے بچنے کی رہنمائی دینے اور صحت و صفائی اور شائستگی کے اصول سکھانے کے لیے بھی روشنی مہیا کی گئی ہے۔

پی۔ایس۔او ریویو کا خصوصی سیرت نمبر	تحقیق و تحریر: جناب مصباح الدین شکیل۔ ناشر: پاکستان اسٹیٹ آئل کمپنی لمیٹڈ پتہ: داؤد سنٹر، پوسٹ بکس نمبر ۳۹۸۳۔ کراچی۔

پاکستان کی زمین سے "سیال سونے" کو نکالنے والی کمپنی پاکستان اسٹیٹ آئل، دلوں کے اندر بادۂ نورانڈیلنے کا کام بھی کرتی ہے۔ "تیلیوں" کی اس برادری کے کارپردازوں نے اپنی خدمات سے یہ محسوس کرایا ہے کہ وہ جیسا جذبہ پاکستان کی خدمت کا رکھتے ہیں ویسا ہی اسلام کی خدمت کا بھی۔ اور ایک اسلامی مملکت و معاشرہ کے اداروں کو ایسا ہی ہونا چاہیے کہ ان کے کام سے اسلامیت نشوونما پالے تیل کی دھارا اور علم کا دھارا یا معدنی دولت کی نہر کے ساتھ ساتھ ایمان کا یم بیکراں بھی رواں دواں ہونا چاہیے۔
۱۹۸۴ء سے اس کمپنی نے سیرت پر ریسرچ کا کام شروع کیا اور اس کے لیے ایک مستقل شعبہ کار قائم کیا۔ اس شعبہ کے ذریعہ سیرتِ احمد مجتبیٰ کی جلد اول (مکی دور) کا کام مکمل کر لیا۔ اور اس پر پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف لائبریری ایجوکیشن لاہور نے سیرت ایوارڈ ۱۹۸۷ء دینے کا اعلان کیا۔ بعد میں جب شاہ مصباح الدین شکیل نے اس کام کو "ظہور قدسی سے مسجد قبا تک" کی شکل میں پیرایہ کتاب میں پیش کیا۔ تو نیشنل کونسل آف کلچر اینڈ آرٹس، کراچی نے اس کتاب کو ۱۹۸۹ء کا پہلا انعام دیا۔
اس سال (۱۹۸۸ء) کمپنی کی طرف سے اپنے کچھ مزدوروں اور نائبین کو فریضۂ حج کے لیے بھجوایا گیا۔ اس موقع پر پی۔ایس۔او ریویو نے رہنمائے حجاج کے طور پر خاص شمارہ "حرم سے حرم تک" شائع کیا پھر ۱۴۰۸ھ ہی میں "مسجد قبا سے میدان بدر تک" کے ابواب سیرت شائع کیے۔ اس سے اگلا حصہ "میدانِ بدر

سے غزوۂ خندق تک" پیش کیا جو اس وقت پیشِ نظر ہے۔

ضروری معلومات بہم، انداز تحقیق برقرار، مندرجات کے لیے حوالے، ایغلی عنوانات میں ادبی لطافت دکھیں کہیں مشہور مصرعے یا ان کے اجزا، عام فہم زبان، ادبیت کا معیار قائم، نقشوں اور فوٹوؤں کے ذریعے واقعات کی تفہیم، غیر فرقہ وارانہ نقطۂ نظر سے ان خوبیوں کے بعد اور ہم آپ کیا چاہیں گے!

خدا ایسے اچھے کام کرنے والوں کو جزا دے اور مزید توفیقِ حسنات دے۔

نمازِ پیمبرؐ از جناب الشیخ محمد الیاس فیصل، مدینہ منورہ - ناشر: سُنّی پبلیکیشنز، لاہور۔

صفحات: ۳۰۴ مجلد، سنہری ڈائی - قیمت: ۳۹/- روپے۔ پتہ درج نہیں۔

اِس سلسلے کی متعدد کتب وقتاً فوقتاً نظر سے گذریں - مثلاً "صلوٰۃ النبیؐ" یا "صلوٰۃ الرسولؐ" وغیرہ - اب یہ نئی کتاب نمازِ پیمبرؐ کے نام سے پیش نظر ہے - موضوع کے لحاظ سے یہ نہایت ضروری ہے کہ حضورؐ کی نماز (عملاً مع ارشادات) کی تصویر بچے بچے کے سامنے رہے - پس اصولاً یہ کتاب بھی ایک اچھی کتاب ہے - اور نماز کے متعلق بیشتر مسائلِ فقہی سمجھ میں آتے ہیں۔

مگر اب تک ایسی جو کتابیں میں نے دیکھی ہیں ان میں یا تو سلفی نقطۂ نظر ایسے انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ لازمی طور پر کوئی دوسرا فریق زد میں آتا ہے، یا حنفی مسلک کو لیا گیا ہے تو پھر گفتگو میں خاصی چوٹ سلفیت پسندوں پر ہوگی - اس کتاب میں بھی حنفیت کا رنگ غالب ہے اور سلفی گروہ ہدف ہے - یہ طرزِ تحریر و تقریر ہی ختم کر دینا چاہیے - کیونکہ برسوں کی اس بحثا بحثی سے تفرقہ گھٹا نہیں، بڑھا ہے - آپ جس بھی مسلک پر ہوں، ایک تو یہ خیال رکھیں کہ آپ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویرِ عبادت و سیرت پیش کر رہے ہوں - آپ کی طرف سے اپنا "اقوال" الگ رہنا چاہیے - دوسرے یہ کہ بات اصولی اور مثبت طور پر کریں کہ یہ شرائط وضو ہیں، یہ فرائض نماز ہیں، یہ کچھ پڑھا جانا چاہیے (اور دوسروں سے تعرض کو چھوڑ دیں)۔

تفصیلی مسائل مندرجہ پر بحث کرنے کی گنجائش نہیں۔

ٹوٹی ہوئی اینٹیں | جناب سید اسعد گیلانی - شذرات و ترتیب - پروفیسر آسی ضیائی، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، سعد بن سعد ایم اے - ناشر: الفیصل ناشران و تاجران کتب، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار لاہور - خوبصورت طباعت، مجلد مع رنگین گردپوش - صفحات: ۲۳۲ - قیمت: ۴۵/ روپے

یہ حلقۂ ادب اسلامی کے علمبردار محترم سید اسعد گیلانی صاحب کے منتخب افسانوں کا مجموعہ ہے، جو پیشِ نظر ہے - اسعد صاحب جیسے زود نگار کی نصف صدی پر پھیلی ہوئی افسانوی تحریروں میں سے ۱۷ افسانوں کا انتخاب کیا گیا ہے - بقول مؤلف یہ اخلاقی قدروں کی حامل معاشرتی کہانیاں ہیں - اسعد صاحب کی کہانیوں کے عنوانات ہی سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ کس طرح نو بہ نو فنی راستے نکال لینے پر قادر ہیں - مثلاً: ایک عورت دو ملک، آدم کے تین بیٹے، لاشوں کا شہر، کیڑے مکوڑے، ٹوٹی ہوئی اینٹیں وغیرہ - پھر اسعد صاحب کے تلاش کردہ اور محفوظ کردہ یا تخلیق کردہ کردار اور اس کے ساختہ ماحول اور واقعات کے اُتار چڑھاؤ میں کمی آنے پر اُسے پورا کرنے کے لیے خوبصورت الفاظ کے اندر خوبصورت خیالوں اور خیالوں میں جھلملاتے ہوئے خوبصورت جذبوں کا بہاؤ - مثلاً "ٹوٹی ہوئی اینٹیں" کو بغور پڑھیے جو مرکزی کہانی ہے - اس میں محمود اور حیات بیگم اور قادر کے کرداروں کو غور سے دیکھیے - ہلکے سے پلاٹ کے پس منظر میں ایک بڑی طوفانی داستان دکھائی دیتی ہے - اس کہانی کا پہلا فقرہ پڑھیے! "بابوجی! ایک پیسہ دو، بابوجی! وَن پائس، وَن آنہ! (ص ۱۲۵) ذرا یاد کیجیے ایسے لفظوں میں مانگنے والے کردار آپ نے بسوں اور چھوٹے ہوٹلوں کے آس پاس دیکھے ہوں گے - کتنا نیچرل انداز ہے - پھر ایک اور فقرہ سنیے! ایک طرف سے آواز آتی ہے: "یہ دنیا ہے طوفان میل" گھٹیا فلمی گانے الاپنے والی نوعمر مخلوق آپ کی نگاہوں میں آجائے گی - ایک کردار خود گفتاری کے عالم میں کہتا ہے کہ "اے انگریز کے چھوڑے ہوئے مکروہ نظامِ معیشت کے محافظو، بتاؤ کہ خودداری میں زیادہ طاقت ہوتی ہے یا بھوک میں؟" (ص ۱۲۷) بھیک مانگنے والی بچی حیات بیگم کے بارے میں کہانی کہتی ہے کہ شرفا کو فرصت نہیں کہ "قصرِ ملت کی اس ٹوٹی ہوئی اینٹ پر توجہ کرتے" (ص ۱۲۹) یہ صفحہ پورا ہی ادب و فن کی زیادہ جھلملاہٹیں رکھتا ہے - اور یہ فقرہ کہ اس کے تو سب ماموں بن جاتے ہیں - (ص ۱۳۲) کتنی کاٹ ہے اس ذرا سی بات میں - اور محمود کو ماموں کے اس لفظ میں شدید تعفن کا احساس ہوا - وہ کہتا ہے کہ مجھے ماموں نہ کہنا - اب تو اس فقرے کی ضرب سے گویا خون ہی بہنے لگ گیا ہے - پھر جب قادر کہتا ہے کہ میں اپنی بہن حیات بیگم کو کندھوں پر اٹھا کر پاکستان لایا تھا تو لڑکی

تنک کر کہتی ہے کہ بڑے آئے قائد اعظم: کہیے کیا شان ہے اس تیکھے نشتری جواب کی (ص ۱۲۳) کہانی کے خاتمے پر محسود یوں محسوس کرتا ہے کہ جیسے آنے والی ساری نسل کا سہ گدائی لیے دُنیا کے چوراہے پر بھیک مانگنے کے لیے چلی جا رہی تھی (ص ۱۲۵)، کہیے پوری قوم کو جگانے کے لیے تیشے کا سا یہ ڈھنگ مناسب ہے یا نہیں! اور پھر "انگریز کی چھوڑی ہوئی ان چھچھوندروں نے قصر ملت کی بنیادیں کھود ڈالی ہیں"۔ "ان بنیادوں پر ایک ایک اینٹ اس کے سامنے بکھری ہوئی پڑی تھی —— ان چھچھوندروں کا سر کچلنا ہی پڑے گا اس کے عزم نے کہا"

یہ تو کہانی کا خاکہ بھی نہیں، محض ایک جھلملاہٹ دکھائی ہے۔ اگر وقت اور جگہ کی محدودیت مانع نہ ہوتی تو میں ایک ایک کہانی کا خاکہ مع تجزیہ کے لکھتا اور تنقیدی اشارات بھی عرض کرتا۔ اہلِ ذوق خود لے کر پڑھیں۔

اسلامی قیادت | از جناب خرم جاہ مراد۔ نائب امیر جماعتِ اسلامی پاکستان۔ ناشر: اسلامک پبلیکیشنز لاہور (۱۳۔ ای شاہ عالم مارکیٹ)۔ قیمت ۱۱/۲۵ روپے۔

ہمارے اکثر قارئین کو معلوم ہے کہ خرم جاہ مراد صاحب ہمارے بلند مرتبہ دانشور ہیں۔ انہوں نے ایک اہم موضوع کو چھیڑا، اس پر قرآن اور رسالت کی رہنمائی بڑی خوبی سے پیش کی۔ ۹۶ صفحات کے اس پمفلٹ سے بہت استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اسلامی قیادت کے متعلق مخالفین کی اٹھائی ہوئی ایک اہم بحث جو نظر انداز ہوتی چلی آتی رہی، اس کی تنقیح خود ہمارے ذہین لوگوں کو کرنی چاہیے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس درجہ کی شدید اطاعت قیادت کے لیے طلب کی گئی ہے اس کے مقابلے میں قیادت کے بگاڑ کی مختلف شکلوں کی صورت میں حل کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ حالتِ انتشار سے نظم میں لاتے ہوئے اولین مسلمانوں کو جو پر زور ہدایات دی گئیں ان کی شرح کرنے والوں نے بات اور بھی دُور تک پہنچا دی اور دوسری طرف حضورؐ نے فاسد قیادت کی زد سے بچنے بچانے کے لیے جو کچھ فرمایا وہ اتنا دب دبا گیا کہ اس پر سرے سے کوئی تشریح و تفصیل موجود نہیں۔ خصوصاً آج کل کے نئے تجربات کی روشنی میں یہ پہلو بہت غور طلب ہے۔ اسلام کا نظام بہر حال پیری مریدی کا نظام نہیں ہے۔

تاہم خرم جاہ مراد جیسے مخلص دانشور رفیق نے جو دینی مواد مطالعہ بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے ہم اس کے لیے ان کے ممنون ہیں۔

MUSLIM YOUTH IN THE WEST	از جناب خرم جاہ مراد۔ ناشر: اسلامک فاؤنڈیشن۔ ۲۲۳۔ لندن روڈ، لائسسٹر۔ LE2 1ZE U.K۔ قیمت نامعلوم۔

اس خوشنما طباعت سے آراستہ انگریزی پمفلٹ میں بہت بڑے مسئلے پر گفتگو کی گئی ہے کہ مغربی ممالک میں نوجوان نسلوں کی تعلیم کی کیا شکل اختیار کی جائے کہ لادینی نظامِ حیات اور مخالفِ اسلام ماحول کے زیر اثر رہنے والے ہمارے نوجوان بچے بچیاں کس طرح ایمانی، اخلاقی اور تہذیبی تباہی سے بچ سکتے ہیں۔ مراد صاحب محض "بچاؤ" کے بجائے غلط کلچر کے سمندر میں اسلامی کلچر کے جزیرے ابھارنا چاہتے ہیں جو پھیلتے چلے جائیں۔ یعنی مسلمانوں کو اپنی پوری کمیونٹی لائف کو ہر پہلو سے از سرِ نو تعمیر کرنا ہوگا۔

سنتِ رسولؐ کیا ہے اور کیا نہیں ہے	از جناب محمد عاصم الحداد (مصنف و ناشر)۔ واحد تقسیم کار۔ اسلامک پبلشنگ ہاؤس۔ ۲۔ شیش محل روڈ۔ لاہور۔ صفحات ۹۷، سرورق سادہ۔ قیمت درج نہیں

برادرم محمد عاصم الحداد مولانا مسعود عالمؒ (دارالعروبہ) کے خاص تربیت یافتہ ہیں اور ان کی ذات عُروبت و سلفیت کا سنگم ہے۔ پہلے وہ فقہ السنہ کی کتاب لکھ چکے ہیں۔ مولانا مودودیؒ کے سفرنامہ ارض القرآن کے بھی مرتب وہی ہیں۔ وہ جب سے سعودی عرب سے آئے ہیں، برابر امید لگی رہی کہ یہاں نیا دور شروع کرتے ہوئے کب اس درختِ فضیلت کا کوئی ثمر سامنے آتا ہے۔ سو خوشی کی بات ہے کہ انہوں نے سنتِ رسولؐ کے موضوع پر مجانِ دین کو روشنی بہم پہنچانے کا سامان کیا۔ باب ۱ تا ۶ میں سنت اور حدیث کی تعریف سے لے کر حدیث کی اقسام، (صحیح، حسن، ضعیف) اور پھر ان کی متفرعات کا بیان ہے۔ بہت مفید اور ضروری۔ باب ہشتم میں صحت و شہرت کے لحاظ سے کتبِ حدیث کی درجہ بدرجہ فہرست دی گئی ہے۔ ساتواں باب زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے حصہ ۱ میں یہ بتایا گیا ہے کہ حنفیہ اور مالکیہ بعض صحیح احادیث کو رد کرنے کے لیے (مطابق بہ نظریۂ مؤلف) کن اصول کو ذریعہ بناتے ہیں۔ حصہ ۲ میں ضعیف احادیث کو صحیح قرار دینے کے لیے (مطابق بہ استدلال مولف) حنفی علماء کے اختیار کردہ تازہ اصول کیا ہیں۔

اول تو یوں بھی کتابوں کے مندرجات کی تفصیل میں جانا ممکن نہیں ہوتا۔ پھر خالص علمی و تحقیقی بحثیں اور پیش کرنے والی شخصیت صاحبِ فضیلت۔ لہٰذا بحثوں سے میں کوئی تعرض نہیں کر رہا۔ مجموعی طور پر بہت مفید پاتا ہوں۔ البتہ میرا ذہن اس بات کو قبول نہیں کر سکا کہ سلفیت کے مقام سے آخر حنفیت پر بحث کرنا کیوں ضروری ہے۔ جبکہ اس طرح کی بحثا بحثی مدتوں سے ہو رہی ہے لہٰذا اس کا نتیجہ آپس کی دوری ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ ایک

تو مسند تحقیق پر جگہ پانے والوں کو کسی جج کی طرح ہونا چاہیئے ۔ نہ اِدھر کا لحاظ ۔ نہ اُدھر کوئی کد ۔ بحثوں اور تفرقوں کی ماری اس امت میں کیوں نہ خالص اصولی اور مثبت طریق سے حقائق کو واضح کیا جائے ۔ مثلاً ص ۹۶/۹۷ پر دس درہم مہر والی روایت ہے ۔ اس پر لکھا جا سکتا ہے کہ حضرت جابر سے روایت شدہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اگر کوئی صحیح مانے تو مہر کی کمی بیشی کے جواز کے متعلق ان کے فتوے کو بھی سامنے رکھے ۔ اس طرح سارا کلام بغیر کسی گروہ سے تعرض کئے ہو سکتا ہے ۔ باقی رہا اس طرح کی بحثوں پر کسی ردِ عمل کا مسئلہ ، سو لوگ جواب دیتے رہیں گے ۔ کتاب کے مندرجات پر دفتر کے احباب سے بات کرتے ہوئے یہ بات سامنے آئی کہ مولف سے ایک مقام پر (ص ۹۴) تسامح ہوا ہے ۔ انہوں نے معالم السنن کو امام منذری کی جانب منسوب کر دیا ہے ۔ "معالم السنن" سننِ ابی داؤد کی شرح ہے جو علامہ ابو سلیمان الخطابی کی تصنیف ہے ۔ امام المنذری نے سننِ ابی داؤد کا اختصار "مختصر سننِ ابی داؤد" کے نام سے مرتب کیا ہے ۔ نیز المنذری نے ایک مجموعۂ حدیث "الترغیب والترہیب" کے زیرِ عنوان تالیف فرمایا ہے ۔

مولانا عبدالغفار حسن صاحب کے تین پمفلٹ

مولف : محترم مولانا عبدالغفار ، پروفیسر مدینہ یونیورسٹی ، مملکتِ عربیہ السعودیہ
ناشر : رباط العلوم الاسلامیہ ۔ ۲۷۸ ۔ عالمگیر روڈ ، کراچی نمبر ۵ ۔

۱ ۔ دین میں غلو ۔ قیمت درج نہیں ۔ یہ پمفلٹ گویا تشریح ہے آیت لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ کی ۔ (المائدہ ۔ ۷۷) ۔ دین کے اُصول و احکام ایک توازن و اعتدال یا توسط پہ قائم ہیں ، "المیزان" کی طرح ہیں ۔ (اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ) ۔ ان میں جب بھی افراط و تفریط سے کام لیا گیا ، کسی اُصول یا جذبے یا حکم کی اہمیت اس کی اصل حد سے گھٹائی یا بڑھائی گئی ، لازماً دین میں بگاڑ پیدا ہوا ۔ حتیٰ کہ شرک کے ظہور کا راستہ بھی یہی ہے ۔ اس حقیقت کو مولانا عبدالغفار حسن صاحب نے آیات و احادیث اور واقعاتی مثالوں اور عقلی دلائل سے بخوبی واضح کر دیا ہے ۔

۲ ۔ خطبۂ نکاح کی تشریح ، اور مسلم معاشرہ میں خواتین کا احترام ۔ (قیمت معلوم نہیں) مضمون عنوان سے پوری طرح ظاہر ہے ۔ مولانا عبدالغفار حسن صاحب نے چاہا کہ نکاح اور اس کے خطبہ کو ایک رسمی سی صورت دینے کے بجائے اس کے مفہوم اور تقاضوں کو سمجھایا جائے ۔ دوسرا مبحث یہ ہے کہ عورت کو اسلامی معاشرہ میں نہایت احترام کا مقام حاصل ہے ۔ ہماری رائے میں ذرد یہ لوگ کی "بے محابا خورت کی اچھل کود ۔ فکر و تدبیر

بار گھٹیا خدمات کو غالب کر دیتی ہے۔ عورت کے معاملے میں بھی دو طرفہ غلو سے بچنا چاہیے۔

۳۔ حقیقتِ دُعا اور رمضان المبارک۔ قیمت: ڈیڑھ روپیہ۔ رمضان المبارک کی برکات اور اس کی اختصاصی عبادات کی برکات اور اُن کی روشنی میں رمضان کی دُعاؤں کا مستجاب ہونا، یہ اس پمفلٹ کا نفسِ مضمون ہے۔

معذرت

چند نہایت ہی اہم کتب کے لیے جگہ نہیں نکل سکی۔ بعض کتابیں اور پمفلٹ کئی ماہ سے تبصرہ کے انتظار میں ہیں۔ متعلقہ مصنفین و ناشر مطمئن رہیں۔ (ادارہ)

(بقیہ اشارات صفحہ ۱۵)

جلسۂ عام میں حفاظت کے انتظامات ڈاکوؤں نے سنبھال رکھے تھے۔ کئی ڈاکو اسٹیج کے نزدیک موجود تھے۔ (تکبیر۔ ۱۹ جنوری۔ ص ۲۸، ۲۹)۔

لادینیت ہی کا لازمہ ہے کہ معاشرے میں مخالفِ شریعت ماحول بنانے کے لیے منکرات و فواحش کا زور پیدا کیا جائے۔

کچھ پہلے آرٹسٹوں کی ایک ملک گیر تنظیم اور بیورو آف آرٹس، کلچر و انسانی امور کے چیئرمین مجسمہ ساز مصور طاہر تلازہ نے سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کا ڈیڑھ سو فٹ بلند مجسمہ تیار کرنے کا منصوبہ بنایا۔ مجسمہ ساز اور پیپلز پارٹی کے انفارمیشن سیل کے کنوینر علیم شاہ بخاری کے درمیان کنٹریکٹ طے پا گیا ہے۔ (تکبیر۔ ۱۲ جنوری ۸۹ء۔ ص ۵۰)

مسلم سوسائٹی صدیوں سے بہ حیثیت مجموعی بت گری اور بت پرستی سے نفور رہی ہے۔ خصوصاً برصغیر میں تو اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس اشتغلے کا پہلا مطلب تو یہ ہے کہ بھٹو کی شخصیت کو لوگوں کے ذہنوں میں کیل کی طرح ٹھونکنا ہے۔ دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ بھارت کی صنم پرستانہ ثقافت کے اثرات کام کر رہے ہوں۔

ایک مجہول سی، بلکہ برائے نام تردیدی آواز بھٹو خاندان کے کسی نامعلوم فرد کی طرف سے آئی کہ وزیر اعظم کا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ لیکن نہ تو متذکرہ آرٹسٹوں کی تنظیم اور بیورو نے اس کی تردید کی اور نہ پیپلز پارٹی کے انفارمیشن سیل کے کنوینر نے!

سالِ نو کا جشن مناتے ہوئے لاہور کی فیشن ایبل بستیوں اور فائیو سٹار ہوٹلوں میں گذشتہ سال سے بڑھ کر شرمناک ہنگامے عیش و طرب ہوئے۔ گلبرگ کے ہپی نیو ائر کی اخلاق باختگی کا سلسلہ ۲ بجے کے بعد شروع ہوا۔ سڑکوں پر شراب پیئے ہوئے بے فکر چھوکروں نے غل غپاڑہ مچایا۔ اسٹیڈیم سے باہر ایک فلمی اداکارہ کی کار کو گھیر لیا گیا، اُسے تنگ کیا گیا اور پھر ۱۲ آدمیوں نے کار کو اونچا اٹھا کر زمین پر پٹخ دی۔ لبرٹی چوک میں بعض شرابی جوڑے رات شدید سردی میں نیم برہنہ ہو کر ڈانس کرنے لگے۔ نیو کیمپس پل پر بھی چند نوجوان جوڑے بدمستی اور مخمستی کے عالم میں سالِ نو کا خیر مقدم کرتے دیکھے گئے۔ بازارِ گناہ میں ایک

بالکونی پر پیپلز پارٹی کے جھنڈے کے سائے میں تین نیم عریاں میک اپ سے پر لڑکیاں سال نو کے خیر مقدم کے لوازمات کی منتظر تھیں۔ اداکار مصطفیٰ قریشی کے گھر اداکاروں اور اداکاراؤں اور رقاصوں نے کیک کاٹے۔ پیپلز کلچرل ونگ کے زیر اہتمام الحمرا میں ایک تقریب میں رانا شوکت محمود اور فخر زمان وغیرہ نے فلم سٹار دیبا اور بشریٰ انصاری وغیرہ کے ساتھ "سوہنی دھرتی والا" بھٹو کا پسندیدہ نغمہ گایا۔ (تکبیر ۱۹ جنوری ص ۲۷، ۲۸)۔

فیشن ایبل گھرانوں کے ۱۵ لڑکے لڑکیوں کو راول ڈیم کے نزدیک جنگل میں منگل منانے اور شراب کے نشے میں مدہوش ہو کر انگلش دھنوں پر بریک ڈانس کرتے ہوئے پکڑ لیا گیا (بعد میں ان کے بڑے گھرانوں کے اثر و رسوخ کے زیر اثر چھوڑ دیا گیا) (جنگ ۳ جنوری ۸۹ء ص ۸ - کالم ۷، ۸)۔

پروفیسر عبدالغفور صاحب کے بیان کے مطابق کراچی میں ۵ مقامات پر شرمناک طریق سے جشن منانے والے ہجوم دیکھے گئے۔

ضلع مظفر گڑھ کے ایک قصبہ چوک سرور شہید میں ـــ پی پی پی کے رانا محمد اشرف دیگر پارٹی ورکروں کے ساتھ شراب کے نشے میں دھت ہو کر طالبات کے پرائمری اسکول میں گھس گئے اور استانیوں کے ساتھ ناشائستہ رویہ اختیار کیا۔ ڈیوٹی پر موجود خاتون اسسٹنٹ ایجوکیشن آفیسر کے کپڑے پھاڑ دیے۔ پھر جب عوام مظاہرے کے لیے نکلے تو پیپلز پارٹی کے مسلح کارکنوں نے حملہ کر کے آٹھ آدمیوں کو زخمی کر دیا۔ مظاہرین پر ابلتا ہوا گھی اور شیرہ پھینکا گیا۔ پھر آتش زنی بھی ہوئی۔ پولیس نے لاٹھی چارج اور آنسو گیس کا بھی استعمال کیا۔ آگے پھر پولیس یا قانون کیا کر رہا ہے۔ یہ سامنے آجاتے گا۔

سینما ہالوں کے باہر بڑے بورڈوں پر ناپسندیدہ پورٹریٹ نمودار ہو گئے ہیں۔

آئندہ پورے پورے تھانے عورتوں پر مشتمل بنائے جائیں گے۔

جمعہ ۲۳ دسمبر کی صبح کو اشتہاری پوسٹر کے مطابق نیشنل گارڈ روڈ ریس کا انتظام کیا گیا جو مزار قائد اعظم سے شروع ہو کر وہیں ختم ہونے والی تھی۔

خالد محمود شوق کا مراسلہ بتاتا ہے کہ فیصل آباد کے مختلف سینماؤں میں وزیر اعظم کے حلف اٹھاتے ہی عریاں اور فحش فلموں کے "ٹوٹے" دکھانے کا کام ایک منظم انداز سے شروع ہو گیا۔ (چٹان۔ جلد ۴۱۔ شمارہ ۔ ۴۵، ۴۶ ۔ ص ۳۵)۔

نوائے وقت کا سپورٹس رپورٹر لکھتا ہے کہ پنجاب یونیورسٹی انٹر کالجیئٹ ہاکی چیمپئن شپ برائے خواتین کا انعقاد ہو رہا ہے۔ ۱۱ کالجوں کی ٹیمیں شرکت کریں گی۔ مسیاں بھٹے کو تو آں " (نوائے وقت لاہور۔ ۱۱ رجنوری ص ۴، کالم ۵)۔

نمونۃً یہ چند مجمل خبریں اس شہادت میں لائی گئی ہیں کہ لادینیت کے چمنستان میں تیزی سے گل کھلائے جا رہے ہیں۔

آٹھویں ترمیم کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ یہ بدنما داغ ہے۔

یہ ترمیم دوسرے پہلوؤں کے علاوہ کچھ ایسے دینی پہلو رکھتی ہے کہ لادینیت کی پیش قدمی میں وہ رکاوٹ بنتے ہیں۔ دوسرے وزیراعظم کو سابق دور (۱۹۷۰ تا ۱۹۷۷ء) کے مطابق ہمہ مقتدر ہو کر بلا روک ٹوک فسطائی اقدامات کرنے میں بھی آٹھویں ترمیم رکاوٹ ہے۔

پس آٹھویں ترمیم کے خلاف بھی سیاسی انجن میں زیادہ اسٹیم لادینیت ہی کی بھری ہوئی ہے۔ ماضی قریب کی تاریخ کو وقت کے حکمران اگر بھلا بیٹھے ہوں تو ہم ان کو یاد کرا دیں کہ اس ترمیم کا وہ پہلو جو صدر اور وزیراعظم کے اختیارات میں توازن پیدا کرنے والا ہے وہ اس وقت کے اسلامی اتحاد کے عین مطالبے کے مطابق نمودار ہوا تھا۔ اس وقت یہ محسوس کیا گیا کہ بلی ٹینٹ (BRUTAL) اور اکثریت کی طاقت کے بل پر جب وزیراعظم کی واحد شخصیت میں کلی اختیارات سمٹ آئیں تو نوبت اس قاتلانہ فسطائیت تک جا پہنچتی ہے جس کا تجربہ معاشرے کو ہو چکا ہے۔ اسی طرح مذہبی پہلو کی ترامیم جو آٹھویں ترمیم میں جمع ہیں وہ نظامِ مصطفٰے کے لیے اُٹھنے والے پُرزور مطالبے کے دباؤ کا نتیجہ ہیں۔

یہ عجیب صورت ہے کہ پہلے ایک فسطائی حرکت بلوچستان اسمبلی کو توڑنے کی کی گئی اور پھر اس کا حل نکالنے کے لیے اس سودا بازی کا سلسلہ شروع کر دیا گیا کہ دوسری طرف سے اگر آٹھویں ترمیم ختم کرنے (پیکیج ڈیل) میں ہمارا ساتھ دیا جائے تو بلوچستان کا مسئلہ ٹھیک ہو جائے گا۔ یعنی ایک فسطائی اقدام کے اثر سے بچنے کے لیے زیادہ وسیع فسطائی اقدام کرنے والی پاور زدے دو۔

مولانا فضل الرحمن (جو بہت معاملات میں سیاسی کمپرومائیز کر لیتے ہیں) تک سے یہ فرمایا ہے کہ "اس ترمیم سے بہت سے شرعی اور سیاسی مسائل وابستہ ہیں" --- "ہم ضیاء الحق کے اسلامی اقدامات کے مخالف نہیں تھے، ہمیں اختلاف صرف اتنا تھا کہ ان اقدامات پر عمل نہیں کیا گیا" (روزنامہ جسارت کراچی - ۲ جنوری ۹۶ء)

مولانا وصی مظہر صاحب کا بڑا تفصیلی تجزیہ کارانہ مضمون اچھی طرح شائع ہو چکا ہے۔ صلاح الدین صاحب بہت خوبی سے ترمیم کے نقطہ بہ نقطہ اور شوشہ بہ شوشہ مقاصد کو سامنے لا چکے ہیں۔

بات تفصیل سے کی جائے تو بہت لمبی ہوگی۔ مختصر قصہ یہ ہے کہ حسب ذیل امور کا تعلق آٹھویں ترمیم سے ہے۔

۱ --- دستور ۱۹۷۳ء کی بحالی کا فرمان (۱۹۸۵ء)

۲ --- قرارداد مقاصد کو تنفیذی حیثیت دینے کا فیصلہ۔

۳ --- پارلیمنٹ کے بجائے مجلس شوریٰ کے لفظ کا استعمال۔

۴ --- حکومت کے رہنما اصولوں میں عشر کی وصولی کے نظام کی شمولیت۔

۵ --- قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کے سابق فیصلے میں مزید استحکام۔

۶ --- غیر مسلموں کے لیے جداگانہ انتخاب کے طریقے کا نفاذ (مطابق نظریہ پاکستان)

۷ --- پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کی رکنیت کے لیے متعدد دینی و اخلاقی اوصاف کو لازم قرار دیا جانا۔ (حالیہ انتخابات میں یہ دستوری فیصلہ معطل رہا)۔

۸ --- عدالتوں سے اسلامی احکام و حدود (مطابق بہ قرآن و سنت) کے تحت فیصلے حاصل کرنے کا حق۔

۹ --- سپریم کورٹ میں شریعت بنچ کا قیام۔

۱۰ --- وفاقی عدالت اور شریعت بنچوں میں ججوں کے ساتھ مستند و معتمد علماء کی شمولیت۔

---

[1] مولانا فضل الرحمن صاحب ہی کا بیان ہے کہ ۷۳ء کا آئین متفقہ نہیں بلکہ پارلیمانی نظام کے لیے مستقل خطرہ ہے (جنگ ۱۶ جنوری - ص ۱، کالم ۳)۔

۱۱ــ اسلامی نظریاتی کونسل کے ارکان کی تعداد میں اضافہ، اور کسی عالم کو اس کا صدر بنانے کی گنجائش۔

۱۲ــ صدر کے انتخابی ادارے میں توسیع۔

۱۳ــ صدر کے اختیارات میں اضافہ۔

۱۴ــ جمہوری نظریۂ نظر سے متعدد قابلِ تعریف اصلاحات۔

(مضمون مولانا وصی مظہر ندوی۔ تکبیر، کراچی۔ ۱۹ جنوری۔ ص ۳۵ تا ۴۲)۔

اب ان اجمالی نکات کو پڑھ کر اندازہ کیجیے کہ آٹھویں ترمیم کو اڑانے کا مقصد کیا ہے۔ جس کے لیے کہا گیا ہے کہ ہم آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔ مقصد اول یہ ہے کہ اسٹیٹ پوری طرح لادینی بنائی جا سکے۔ مقصد دوم یہ کہ پیپلز پارٹی اور اس کی محترمہ وزیراعظم ہمہ مقتدر بن کر تمام قوانین و ضوابط کے پرخچے اڑاتی ہوئی جو چاہیں کریں، کوئی پوچھنے روکنے والا نہ ہو۔ بھارت کے متعلق، روس کے متعلق، اپنی فوج کے متعلق اور مجرموں اور غنڈوں کے متعلق ہماری جس طرح کی پالیسی اب ہے، اس کی روشنی میں اندازہ کیجیے کہ "ہمہ مقتدر" ہونے کے بعد کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔

اِن گذارشات سے یہ واضح کرنا مطلوب ہے کہ لادینیت کی آخری چوٹی سر کرنے کے لیے آٹھویں ترمیم کی رکاوٹ کو دور کرنا ضروری ہے۔[۱]

بحث اتنی پھیل گئی ہے کہ میں مجبوراً دو ایک موضوعات کے جمع شدہ مواد کو درکنار رکھ کر چند سطور تحریر میں لاتا ہوں۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے ہی کہ مسئلہ جہاد افغانستان کے بارے میں کیا کیا سازشیں ہو رہی ہیں۔ جنیوا معاہدے میں ذرا سی ایک کوتاہی (بہ دورِ جنیجو) ہو گئی جس نے سابق صدر پاکستان کو

---

[۱] آٹھویں ترمیم کے متعلق بعد از تحریر یہ بیان سامنے آیا کہ مسلم لیگ آٹھویں ترمیم کو دستور میں رکھنے کی حمایت نہیں کرے گی۔ (نوائے وقت۔ ۱۶ جنوری۔ ص ا کالم ۱، ۲)۔ خدا نہ کرے کہ لادینیت پسندی کے رجحانات دونوں کا تار و پود اس حد تک ملا دیں۔

شدید مضطرب کر دیا اور اسی کے نتیجے میں ۲۹ رمئی والا ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔

بُنیادی طور پر تمن لادینی قوتوں کا مشترکہ ہدف یہ رہا ہے کہ افغانستان میں خالص اور مکمل اسلامی حکومت (وہی فنڈا منٹل ازم والی) نہ پنپنے پائے۔ امریکہ اور یورپی حلقوں کی طرف سے اس سلسلے میں مصر، سوڈان، الجزائر، الجیریا میں خاصے مؤثر تجربات ہو چکے ہیں۔ اور انڈونیشیا میں تو گویا حتمی کامیابی کی چوٹی پر جھنڈا گاڑنے میں ذرا ہی سی کسر ہے۔ اِن سارے ممالک میں عیسائی مشنری قوتوں نے باقاعدہ حروب وصلیبہ کے جذبے سے ہر قسم کے طریقوں سے مہم چلا رکھی ہے۔ جس کا بڑا ہدف یہ ہے کہ عیسائی آبادی کو بذریعہ تناسل بھی اور بذریعہ باہر سے درآمد کے بھی اور بذریعہ پس ماندہ اور بت پرست قوموں میں تبلیغ کر کے بھی اتنا بڑھایا جائے کہ وہ چند سال (۵، ۱۰ یا ۲۰) میں اکثریتی مقام پر آجائیں۔ ورنہ کم از کم ایک بھاری اقلیت کی حیثیت سے اسلامی نظام کو برپا نہ ہونے دیں۔ اس مہم میں ان کو باہر سے سرمایہ، پروپیگنڈا، تعلیم وصحت کے ادارات، نوجوان کو خریدنے کے لیے زرِ ثمن اور آخری ضرورت کے لیے اسلحہ فراہم کیا جا رہا ہے۔ نیز مسلمان ممالک کو قرضوں اور اسلحہ کی ایڈ کی زنجیروں میں جکڑ کر ان کے درمیان ایک طرف اپنے سفارتی اور سازشی اکابر کو کارِ خفیہ اور کارِ علانیہ کے لیے بھیجا جاتا ہے؛ دوسری طرف عیسائی مشنریوں اور ان کے اداروں کے اور عیسائیوں کے لیے حقوق کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ہر اسلامی اقدام پر عیسائی ہنگامہ آرائی کرتے ہیں، بیرونی پریس اسے اُچھالتا ہے۔ اور سپر پاورز آنکھیں دکھاتی ہیں اور ہمارے بادشاہ اور امیر اور وزیر دل مسوس کر رہ جاتے ہیں۔ بلکہ اکثر کا دل ہی چند سال میں ہوا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جن ممالک کو میں نے گنا ہے ان میں سے احیائے اسلام اور نفاذِ شریعت کی تحریکیں اس طرح بے رحمی سے کچلی جاتی ہیں گویا وہ مجرموں اور غنڈوں کے گروہ ہوں۔ کسی کی مجال نہیں کہ ذاتی اور گھریلو اور سہمی سہمی سی اسلامیت سے آگے بڑھ کر اجتماعی سیاست کی بات کرے۔

اب اس پس منظر کو ذہن میں رکھیے اور پھر میری بار بار کی کہی ہوئی اس بات کو تازہ کر لیجیے کہ ایشیا کی اس چھوٹی سی پٹی پر جس میں ایران، افغانستان اور پاکستان واقع ہے، اتنی کڑی نظر رکھی جا رہی ہے اور اتنی زیادہ اور علانیہ مداخلتیں کی جا رہی ہیں کہ آدمی کی سمجھ میں آتا ہے کہ عساکرِ شیاطین انسانوں کو کسی کام کس طرح کرتے ہوں گے مغرب، ایران کے واقعہ کے بعد اس حال میں ہے کہ دودھ کا جلا، چھاچھ بھی پھونک پھونک کے پیئے — ایران تو گیا۔ اب وہ دیکھتے ہیں کہ فنڈامنٹلزم (اصولی اسلام) کا دوسرا "حادثہ" افغانستان میں ہونے والا

ہے۔ یہ ہو جائے تو پاکستان کو بھی اس سے بچانا ممکن نہیں ہے۔ بدیں سبب جنیوا معاہدے کے بعد تو ذرا کم، اور ضیاء الحق شہید کے رخصت ہونے کے بعد امریکہ، روس، بھارت اور ضمناً یہودی سب اچھل اچھل کر خوشی منا رہے ہیں کہ اب خطرہ ٹل گیا۔ خصوصاً یہاں ان کی پسند کی جو نئی حکومت قائم ہوئی ہے اس کی وجہ سے وہ مقامِ یقین تک پہنچ چکے ہیں۔ ان کے ساتھ پاکستان کے تمام لادینیت پسند اور سوشلسٹ اور مفاد پرست اور بیشتر غیر مسلم بھی شامل ہیں کہ افغانستان اور پاکستان سے اسلامیت کا خطرہ ٹل جائے۔

اب یہاں آکر دو راستے بن گئے ہیں:

ایک یہ کہ مذکرہ قوتیں یہ چاہتی ہیں کہ افغانستان میں ایک وسیع البنیاد حکومت قائم ہو، جس میں کابل گورنمنٹ کے اکابر بھی شریک ہوں، کمیونسٹ بھی ہوں اور مجاہدین سے غداری کرنے والے پٹھان بھی۔ ایسی صورت میں اسلامیت کے خطرے کا پوری طرح سدباب ہو جاتا ہے۔[1]

دوسرا راستہ یہ ہے کہ مجاہدین ایک عبوری حکومت قائم کریں اور وہ پھر چند ماہ میں انتخاب کرائے اور اس میں جو بھی لوگ کامیاب ہوں وہ دستور بنائیں اور آگے حکومت چلے۔ اس راستے کے حامی ضیاء الحق بھی تھے اور تمام محبانِ اسلام بھی اور مجاہدین افغانستان کو مظلوم اور برحق ماننے والے بھی۔

مگر یہ راستہ غلبۂ اسلام (فنڈامنٹلزازم) کا راستہ ہے۔ اس راستے کی طرف روس، امریکہ اور بھارت میں سے کوئی بھی تیار نہیں۔ کیونکہ تینوں کے مفاد مارے جاتے ہیں۔ پھر پاکستان بھی ان کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔

واضح رہے کہ اس گڑبڑ کو کامیاب کرانے کے لیے حکومتِ پاکستان (اور قوم) کی مدد بڑی اہم ہے۔ لہٰذا روس اور بھارت کی تخریبی کارروائیوں کے ساتھ امریکہ کی سفارتی، جاسوسی اور دیگر سرگرمیاں زور شور

---

[1] بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ روس جو مختلف چالیں چل رہا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شیعہ افغانوں کو جو ایران میں ہجرت کر گئے ہیں، وہ اکساتا ہے کہ افغانستان کی اسلامی حکومت لازماً سنی ہوگی اس سے تمہیں آخر کیا ملے گا۔ تم اختلاف کرو۔ ابھی تک تو بظاہر روس کو کامیابی نہیں ہوئی۔ آگے خدا خیر کرے۔ اور اختلافات کی کچھ خبریں آبھی رہی ہیں۔ اللہ رحم کرے!

سے جاری ہیں۔

ایک تازہ خبر ملاحظہ ہو: "افغانستان میں صورتِ حال کو بہتر بنانے کے لیے پاکستان کو اقتصادی و فنی امداد کی پیش کش"۔ (جنگ ۵ جنوری ۱۹۸۹ء - پہلی سرخی - صفحہ اوّل - کالم ۵ تا ۸)

یہ صریحاً بین الاقوامی رشوت کی پیش کش ہے۔

ایک خبر اور ــ اے پی پی کی اطلاع کے مطابق اخباری اطلاع ہے کہ ظاہر شاہ کی جانب سے پاکستانی ویزا کی درخواست دی گئی ہے ــــ انہیں ایک بڑے جلوس کی شکل میں پشاور سے کابل لے جایا جائے گا۔ پروگرام بنا لیا گیا ہے۔ (ہمارا خیال ہے کہ اس جلوس کے قافلہ سالار ولی خان ہوں، نائب سالار ان کی بیگم صاحبہ ہوں، اور سیاسی گارڈ پیپلز پارٹی کے جہانگیر بدر ہوں۔ ن۔ ص) - یہ واقعہ ہوا تو روسی، امریکی اور بھارتی سازش میں پاکستان کے ملوّث ہونے کا ناقابلِ تردید ثبوت ہو گا۔ (تکبیر - ۱۹ جنوری ص ۶، کالم ۲)۔

گویا مختصراً یہ سارا کھیل بھی نگارانِ لادینیت کے غمزوں پہ ہو رہا ہے۔

اسلامی نظریہ اگر کمزور ہو گا تو پاکستان کمزور ہو گا اور پاکستان کمزور ہو گا تو اسلامی نظریہ کمزور ہو گا۔ اِس اصول کے مطابق بعض قوتیں براہِ راست اسلام سے لڑنے کے بجائے تضعیفِ پاکستان ــــــ (WEAKENING OF PAKISTAN) میں لگی ہیں۔

سارک کانفرنس اس نیک کام کا خوب ذریعہ بنی۔

۶ جنوری کے جنگ لاہور کا ص ۹ نکال کر بھارتی اخباروں کے انگریزی تراشے پڑھیے۔ آپ کی آنکھیں کھل جائیں گی، خدا کرے کہ آنکھیں ہوں بھی۔ ایس کے نہال سنگھ کا تعلق ہندوستان ٹائمز سے ہے۔ نوٹ ہے: INDO PAKISTAN TIES - مشہور صحافی چکرا ورتی کا مضمون ہے STRENGTHENING - اور ایک اور مضمون ہے INDO PAKISTAN SUMMIT - BENAZIR'S PAKISTAN - اس کا ایک فقرہ بس کرتا ہے۔ ویسے سب نے مسرتوں کا اظہار کیا ہے جس کی وجہ پی پی پی اور بھارت کے مشترک دشمن کا بیچ میں سے ہٹ جانا ہے۔ ضروری فقرہ

یہ ہے کہ "بے نظیر کو مدد پہنچانے کی ضرورت ہے۔ ایک تو جرنیلوں کے دباؤ کا خیال رکھنا ہے۔ دوسرے ضیاء الحق کے وارثوں کی طرف سے فنڈامنٹلزم آف پاکستان کا خطرہ ہے"۔

یعنی بھارت کی ہندو ذہنیت کے لیے پاکستان میں دو چیزیں ناپسندیدہ ہیں۔ ایک فوجی قوت جو اس کے راستے میں رکاوٹ ہے، دوسرے اسلام جس کے تحت دو قومی نظریہ وجود میں آیا اور تقسیم برصغیر واقع ہوئی۔

تضعیف پاکستان کے مظاہر تو یوں بھی سرِعام تھے۔ صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں: "بینظیر نے امریکہ کے چکر لگائے، باقاعدہ تحریری درخواستیں گزاریں جو امریکی سینیٹ کی رپورٹوں میں شامل ہیں۔ وہاں سینیٹروں اور امریکی حکام سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ سولارز کو اپنی مہم کا نگران مقرر کیا[1]۔ لندن، پیرس، دہلی، ماسکو، کابل، کوپن ہیگن، ایمسٹرڈم، دمشق، طرابلس اور دنیا کے مختلف دارالحکومتوں میں عوامی اور حکومتی سطحوں پہ پاکستان کے خلاف زبردست مہم چلائی۔ جتوئی نے بھی امریکہ یاترا کا اہتمام کیا۔ ولی خان نے ماسکو اور دہلی کے چکر لگائے۔ جی ایم سید بھی پاکستان پہ حملے اور سندھ کے بھارت سے الحاق کی درخواست لے کر راجیو کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ولی خان نے روسی فوجوں کی "مدد اور اٹک پہ اس کے اقتدار کی زنجیر لگانے کی خبر سنائی۔ اصغر خان نے بھی سپر طاقتوں کا منظورِ نظر ہونے کا تاثر دیا۔ ضیاء الحق مرحوم نے خود یہ واقعہ سنایا کہ بھارت کے سفیر ان سے ملنے آئے۔ اور پیپلز پارٹی کے ایک رہنما کا نام لے کر جو کراچی میں مقیم ہیں اور حالیہ انتخابات میں قومی اسمبلی کے امیدوار بھی تھے، کہا کہ آپ کے سیاسی لیڈروں کا عجیب حال ہے کہ وہ ہمیں باقاعدہ حملے کی دعوت دیتے ہیں۔ انتخابی مہم کے دوران اور اس سے قبل سفیروں نے محض انفرادی ملاقاتیں نہیں کیں بلکہ وہ سیاسی جماعتوں کی عاملہ کے اجلاس میں شریک ہوئے۔ پریس کلب کی تقاریب، پریس کانفرنسوں اور جلسوں میں سیاسی قائدین کے دائیں بائیں بیٹھے نظر آئے۔" (تکبیر۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۸۸ء۔ ص ۱۰ تا ۱۲)

---

[1] آج یہودی لابی کے یہی سولارز صاحب پاکستان میں آ کر اپنی کارکردگی دیکھنے اور انسٹرکٹر کے طور پہ محترمہ بے نظیر اور محترم نواز شریف اور دوسروں کو ہدایات دینے اور معاملات ٹھیک کرنے آتے ہیں۔ نیز مسئلہ افغانستان کی میٹھے میں مچھر اگھسیڑنے۔ (خبر، جنگ ۱۲ جنوری۔ کالم ۱ تا ۵۔ ولبقیہ)

دیر بات سارک کانفرنس کی چھڑی تھی۔ اس کے متعلق مجملاً چند نکات :-

۱۔ پروٹوکول کا تقاضا تھا کہ سابق سربراہ مملکت کے متعلق فاتحہ یا اجتماعی اظہار غم کی قرارداد پیش ہوتی۔ بخلاف اس کے جن اکابر ممبران نے اپنا فرض سمجھ کر لب کشائی کی، ان کے لیے ہماری میزبان وزیراعظم کا ردِ عمل بڑا سخت تھا۔

۲۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کانفرنس دو دھڑوں میں تقسیم ہے۔ پاکستان اور بھارت ایک دھڑے میں اور بقیہ پانچ ممالک دوسرے دھڑے میں۔

۳۔ راجیو گاندھی اور محترمہ بے نظیر کی باہمی دوستی کا سبب ضیا دشمنی معلوم ہوتا تھا۔

۴۔ محترمہ نے شیخ مجیب الرحمن اور آنجہانی اندرا گاندھی اور جناب بھٹو کی خدمات کا ذکر کیا تو بنگلا دیش کی تشکیل کا سارا نقشہ سامنے آ گیا۔

۵۔ غیر ملکی اکابر کو مزار ضیا الحق پر نہیں جانے دیا گیا، بلکہ فیصل مسجد میں نماز پڑھنے کا موقع بھی نہیں دیا گیا۔

۶۔ جب تک کشمیر، سیاچن اور افغانستان کے مسائل طے نہیں ہوتے، بھارت سے خوشگوار تعلقات استوار نہ کیے جائیں۔

۷۔ پیپلز پارٹی نے بھارتی وزیراعظم کو غیر معمولی اہمیت دے کر دیگر ممالک کو ناراض کر لیا ہے۔ جب کہ اس سے قبل بھارتی بالادستی سے نجات کے لیے یہ ممالک ہمیشہ پاکستان کی طرف دیکھا کرتے تھے۔

۸۔ محترمہ وزیراعظم نے سارک کانفرنس کو پیپلز پارٹی کا جلسۂ عام بنا دیا۔

۹۔ چوتھی کانفرنس سارک میں پہلی بار فکری سطح پر بھارت کی بالادستی کو اگر کھل کر نہیں، تو عملی طور پر قبول کر لیا ہے۔

۱۰۔ سارک کانفرنس میں مسئلہ کشمیر کو نظر انداز کرنے سے اہل کشمیر اور پاکستان کے محبِ وطن حلقوں میں شدید ردِ عمل ہوا ہے۔ مقبوضہ کشمیر کے مسلمان عوام کا اسلامی تشخص بگاڑا جا رہا ہے۔ انھیں اقتصادی طور پر نقصان پہنچایا جا رہا ہے[1]۔

---

[1] بھارتی سفیر جواب دیتا ہے کہ "مسئلہ کشمیر جیسے مسائل سارک کانفرنس میں پیش (باقی بر صفحہ آئندہ)

۱۱۔ بھارت دریائے نیلم کو ایک سرنگ کے ذریعے دولر جھیل میں ڈالنے کا ناپاک منصوبہ بنا رہا ہے۔ کشمیر پاکستان کا مضبوط دفاعی حصار ہے۔

اِن اشارات کے مآخذ:۔

ا۔ مضمون پروفیسر محمد سلیم۔ نوائے وقت۔

ب۔ احباب کلب کی تقریب میں صدارتی خطاب (نوائے وقت۔ ۷ر جنوری ص ۱۔ کالم ۴، ۵، بقیہ ص ۷، کالم ۷)۔

ج۔ سردار عبدالقیوم (نوائے وقت۔ مورخہ ۱۱ر جنوری، صفحہ آخر، کالم ۷، ۸ بقیہ بر ص ۷، کالم ۱)

د۔ سردار سکندر حیات۔ وزیراعظم کشمیر (نوائے وقت۔ ۱۱ر جنوری، ص ۱، کالم ۴، ۵)

س۔ قاضی سعید الرحمٰن، ڈاکٹر افضل اعزاز اور اشفاق سرور (پریس کانفرنس)
(روزنامہ جنگ۔ ۱۱ر جنوری، ص ۸، کالم ۱، ۲ بقیہ ص ۷۔ کالم ۶۔ نیز نوائے وقت۔ ۱۱ر جنوری ص ۸، کالم ۴، ۵، بقیہ ص ۷، کالم ۳)۔

اِدھر جدہ سے ہمارے وزیراعظم کا بیان آیا کہ بھارت اور پاکستان کے درمیان موجودہ کشیدگی کا باعث کشمیر کا مسئلہ ہے۔ (جنگ ص ۱، کالم ۶، ۷، ۸۔ بقیہ ص ۶، کالم ۳)۔

اِس بیان نے جو پریشانی بھارت میں پیدا کی، اُس کا توڑ ہندوستان ٹائمز نے کر دیا۔ اس نے قوم کو مشورہ دیا کہ جدہ والے بیان کشمیر کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔ (ایسی باتیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں، نہ یہ اخبار کہتا ہے، گو وہ منتخب وزیراعظم ہیں لیکن ایک مضبوط فوج اور ایک بنیاد پرست (فنڈامنٹلسٹ) طبقہ اس موقع کی تلاش میں ہے کہ وہ کب کوئی غلطی کریں اور انہیں اقتدار سے ہٹا دیں۔ (جنگ۔ ۴ر جنوری ص ۸۔ کالم ۴، ۵۔ بقیہ ص ۷، ک ۶)۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

نہیں ہو سکتے" تو کیا یہ کانفرنس "نشستند و گفتند و برخاستند" قسم کی ہے۔ (نوائے وقت ۱۱ر جنوری ص ۱، کالم ۴، ۵۔ بقیہ ص ۷، کالم ۴)۔ اور بھارتی استاد کی اسی دلیل کو مولانا شوکت محمود صاحب جیسے ذہین و فطین لیڈر نے دہرا دیا ہے۔ (جنگ ۱۶ر جنوری، ص آخر، کالم ۴، ۵)۔

دو قومی نظریہ جو مسلمانوں اور ہندوؤں کی مذہبی اور تہذیبی اور تاریخی علیحدگی کے تصور پر ہی نہیں، عملی تجربوں پر مبنی ہے، اسے سارک کانفرنس کی پیدا کردہ فضا میں ضرب لگانے کے لیے بھارتی سفیر مسٹر ایس کے سنگھ نے ایک بیان میں کہا ہے کہ "پاکستان اور بھارت دو آزاد خود مختار ملک ہیں لیکن وہ مشترک ورثے کے حامل ہیں دراوڑ موہنجوڈرو اور ہڑپہ میں رہتے تھے اور پھر آرین اور مغل وادی سندھ میں آئے۔ ان سب کا خون ہم میں شامل ہے۔ زبان ہماری مشترک ہے (سفید جھوٹ — اردو کو مسلمانوں کی زبان کہہ کر ہندی کو الگ زبان بنایا۔ ن۔ص) شاعری مشترک ہے، موسیقی مشترک ہے، ہمارا ثقافتی ورثہ مشترک ہے۔ اس لیے ہمارا دوسرے ممالک کے مقابلے میں ملنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ (جنگ ۱۱ جنوری۔ ص ۱ کالم ۴، ۵۔ بقیہ ص ۶، کالم ۳، ۴)

اس شخص کو لفظ تہذیب و ثقافت کے معنی اور ان معنی کی وسعتوں اور گہرائیوں اور ان کی بنیادی رُوح کا شعور نہیں۔ بس ہماری نئی نسل کو جو ہندوؤں کی ستم رانی کی تاریخ سے بے خبر ہے، ایک مغالطے میں ڈال کر اپنا اُلو سیدھا کرنا مطلوب ہے۔

سارک کانفرنس کے سلسلے میں پاکستان اور بھارت کے درمیان جو معاہدے ہوتے ہیں، ان میں سے اہم کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ایک معاہدہ ہے کہ "فریقین ہر سال یکم جنوری کو اپنی ایٹمی تنصیبات کے حدود اربعہ سے ایک دوسرے کو آگاہ کریں گے[1] (تکبیر ۱۹ جنوری۔ ص ۱۵، ۱۶)

لیکن ہم جو معلومات بھارت کے حوالے کریں گے وہ ان کی (RANGE) میں ہوں گی، لیکن بھارت سے اگر صحیح معلومات بھی ملیں تو وہ ہماری پہنچ سے باہر ہیں۔ بھارت کے پاس ایسے میزائل ہیں جن کی مدد سے وہ جب چاہے پاکستان اور چین کو اپنا ہدف بنا سکتا ہے۔

دوسرا ہے ثقافتی تبادلے کا معاہدہ۔ پروپیگنڈے اور ثقافتی یلغار کے محاذ پر بھارت ہم سے

---

[1] چند روز پہلے کا واقعہ ہے کہ ایٹمی تنصیبات پر حملے کا منصوبہ اور درآمد شدہ سامان پکڑا گیا ہے۔ بالعموم بھارت ہی کو اس کا ذمہ دار مانا گیا ہے۔ "اور کیسے معاہدے"۔ (اداریہ جنگ۔ ۱۶ جنوری۔ ص ۳۔ کالم ۱، ۲)۔

آگے ہے۔ اس کی ثقافتی جنگ جاری ہے۔ بھارتی سفارت خانوں ، ویڈیو اور ٹی وی وژن کے ذریعے جنگ لڑی جا رہی ہے۔ ہمارے نام نہاد ادیبوں اور دانشوروں اور فن کاروں کو بھارتی سفارت خانوں میں نوازا جاتا ہے۔ لادینیت پسند بھارت نے اگر بھرپور قسم کے ثقافتی طائفے بھیجے تو جواب میں کیا ہمارے طائفے وہاں تبلیغ اسلام کریں گے۔

نشانِ عبرت ہے کہ اس معاہدے کے ساتھ ہی ہمارے ذرائع ابلاغ نے عربی کا بلٹن ختم کر کے ہندی کا شروع کر دیا ہے۔

بس یہاں ایک مثال بھارت کی ثقافتی اثر اندازی کی۔

ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں کہ پاکستان میں پچھلے دنوں ہندوستان کا ایک سفر نامہ "مندر میں محراب" کے عنوان سے شائع ہوا[1]۔ مصنف نے ایک منظم منصوبے کے مطابق یہ بات پھیلا دی ہے کہ اس میں اندرا گاندھی کی مخالفت کی گئی ہے۔ میں نے یہ کتاب پڑھی تو حیرت زدہ رہ گیا۔ مندر میں محراب کے مصنف تو اندرا گاندھی کو سیاسی ہیرو بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی قومی غیرت ہی کا بلیدان نہیں دیا بلکہ مذہبی عقائد پر بھی ضرب لگائی ہے ، اور اہانتِ اقبال سے بھی گریز نہیں کیا۔ (تکبیر ۸ دسمبر ۱۹۸۸ء۔ ص ۴۰)

اب چند متفرق اطلاعات۔

کراچی کی ایک تقریب میں معزز و معروف شخصیت جناب رشید چودھری کو پارٹی کے پروانوں نے زدوکوب کیا۔ اس واقعہ پر افراد اور اداروں کی طرف سے شدید ردِ عمل سامنے آ رہا ہے۔

دھمکیاں دینے کا عمل بھی شروع ہو گیا ہے۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ اگر وفاقی حکومت کی مخالفت ختم نہ کی گئی تو ملک بھر میں دہشت گردی کا طوفان اٹھا دیا جائے گا۔

ایک دھمکی ایک ذمہ دار شخصیت نے یہ دی ہے کہ عنقریب اسلامی جمعیت طلبہ کا نام و نشان پنجاب

---

[1] واضح رہے کہ ترجمان القرآن کسی ادبی دھڑے بندی سے تعلق نہیں رکھتا۔ ایک حوالہ سامنے آیا وہ پیشِ خدمت ہے۔

یونیورسٹی سے ختم کر دیا جائے گا۔

بھٹو صاحب کی تصویر کو پہلے قائد اعظمؒ کی تصویر کی جگہ لانے کا پروگرام تھا، پھر ساتھ رکھنے کا پروگرام بنا اور اب کرنسی نوٹوں پر قائد اعظمؒ کی تصویر کے بجائے بھٹو صاحب کی تصویر چھاپی جائے گی تاکہ اس کا اثر عوام اور خصوصاً آئندہ نسلوں پہ ڈالا جاسکے۔ خیال رہے کہ سابق صدر شہید نے نہ کرنسی نوٹوں پر اپنی تصاویر چھپوانے کا اقدام کیا اور نہ یہ خواہش تک کبھی پیدا ہوئی کہ قائد اعظم کی طرح ان کی تصویر کو بھی مقام ملنا چاہیے۔

بیگم ضیاء الحق نے موجودہ حکومت کی طرف سے منظور کردہ خصوصی مراعات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ معلوم نہیں یہ اخباری خبر کہاں تک درست ہے۔

حضرات گذشتہ اوراق میں ہم نے لادینیت کے عساکر کی پیش قدمی کو آپ کے سامنے پوری طرح واضح کر دیا ہے۔ اگرچہ لٹریچر، تعلیم، ذرائع ابلاغ وغیرہ کے پہلوؤں سے جائزہ لینا ممکن نہ تھا۔ اب آپ اپنا مقام بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ کام کرنے میں مشکلات ضرور حائل ہوئیں لیکن دینی طبقوں کی اپنی کوتاہیاں بھی ہیں۔ ان کو خود احتسابی کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے اور پھر نیا نقشہ جنگ مرتب کرنا چاہیے اس سلسلے میں گذارشات انشاء اللہ تعالیٰ اگلی دفعہ!

یہ تحریر مایوس ہو جانے والوں کے لیے نہیں ہے، بلکہ جذبۂ تازہ کے ساتھ کام کرنے والوں کے لیے ہے

(باقی)

تحریکِ اسلامی کا خلاصہ

دو کتابوں میں سمیٹ دیا گیا ہے!

(۱) تحریکِ اسلامی کی پہلی کتاب

از: سیّد اسعد گیلانی

(۲) تحریکِ اسلامی کی دُوسری کتاب

از: سیّد اسعد گیلانی

- پہلی کتاب: بارہ مضامین اور بیسیوں امتحانی تبلیغی سوالات پر مشتمل ہے۔
- دوسری کتاب: تحریک کے دستور اور نصب العین سے لے کر تازہ ترین جدوجہد تک محیط ہے۔
- پہلی کتاب: قاری کا ہاتھ پکڑ کر انفرادی تصورِ دین سے اجتماعی زندگی تک لے جاتی ہے۔
- دوسری کتاب: اسلامی نظامِ جماعت کے ایک ایک جزو سے واقفیت فراہم کرتی ہے۔
- پہلی کتاب: دین کا مشن اور مشن کے تقاضے بیان کرتی ہے۔
- دوسری کتاب: تحریکِ اسلامی کی خصوصیات اور خصوصیات کے تقاضے بیان کرتی ہے۔
- پہلی کتاب: ہر نئے متعارف ساتھی کے ہاتھ میں دیں۔
- دوسری کتاب: ہر اس شخص کو دیں جس نے پہلی کتاب کا مطالعہ کر لیا ہے۔

دونوں کتابیں تحریکِ اسلامی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں جو سمتِ منزل رواں دواں ہیں۔

ان سے استفادہ کیجیے

پہلی کتاب: صفحات ۱۲۸ قیمت ۱۵/- • دوسری کتاب: صفحات قیمت ۲۴/-

اِدارہ ترجمانُ القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ

اردو بازار - لاہور

اسلامی نظریۂ ادب

کیا ہے؟
اس کے خدوخال کیا ہیں
اس کا حدود اربعہ کیا ہے

اس مسئلے پر روشنی ڈالتے ہیں:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی
ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی ● ڈاکٹر عماد الحق صدیقی
پروفیسر خورشید احمد ● جناب ماہر القادری
پروفیسر ہارون الرشید ● جناب آباد شاہ پوری
جناب نعیم صدیقی ● سید اسعد گیلانی

یہ نظریۂ ادب انقلابی نظریۂ توحید اور اخلاق پر قائم ہے۔

مرتب کرنے والے:

- سید اسعد گیلانی
- اختر حجازی

ضخامت: ۲۱۲ صفحات ○ قیمت: ۳۰/- روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اردو بازار، لاہور